Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

ماہنامہ کشمیرالیوم

(رجسٹرڈ)

جلدنمبر 20،شمارہ نمبر 8،مارچ 2023ء شعبان / رمضان ۱۴۴۴ھ

مجلس مشاورت

متین فکری

عرفان صدیقی — حامد میر

سرور منیر راؤ — رُباب عائشہ — عاصم قدیر رانا

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب

آزاد جموں وکشمیر : غازی محمد اعظم

سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی

جموں : وجے کمار رینا

لداخ : جعفر حسین علوی

لندن : انوار الحق

نیویارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابوحماد

کمپوزنگ :

منیجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف

معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

اس شمارے میں

اداریہ		چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
گرداب	بلڈوزر کا سفر غزہ سے سرینگر تک	سید عارف بہار	4
اظہار خیال	امتیاز عالم شہیدؒ	غلام اللہ کیانی	6
تذکرہ شہید	شہید امتیاز عالم	عادل وانی	8
تذکرہ شہید	وہ جانثار چلا گیا	اویس بلال	9
انٹرویو	حافظ محمد ادریس	شیخ محمد امین	11
فکرونظر	شہداء کا اجتماع	عادل ترابی	16
گوشہ اسلام	دجال کون؟	ڈاکٹر عبدالرؤف	18
ماں	میری پیاری امی جان	ام عبداللہ ہاشمی	21
آئینہ	بس۔۔ایک قدم	محمد احسان مہر	22
یادرفتگان	کے ایچ خورشیدؒ	شہزاد احمد منیر	23
نقش وخیال	مادری زبان	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	25
داستان حجازی	راہ حق میں ہوئے میرے حادثے۔۔۔	وسیم حجازی	28
کشمیر کے شب وروز	معرکے۔۔۔	ہمایوں قیصر	31

ماہنامہ کشمیرالیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے،
جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز

مقام اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885

Mails. B/NPR-234

قیمت 40 روپے، سالانہ زرتعاون 400 روپے

خط وکتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ ''کشمیرالیوم'' NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 051-4934369

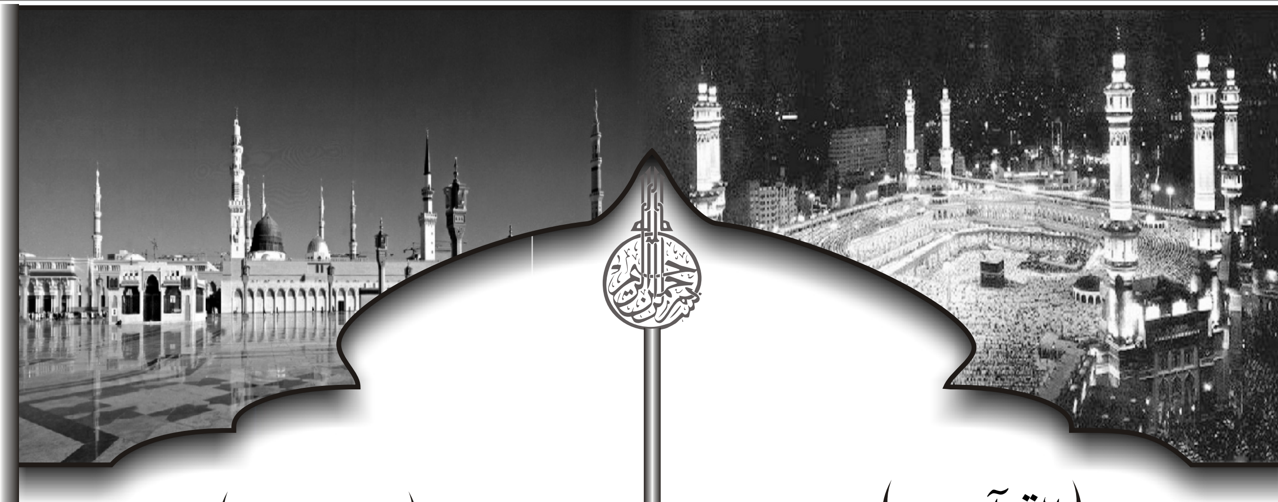

القرآن

ماہِ رمضان۔۔۔نزولِ قرآن کامہینہ

رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جوانسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جوراہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے ، اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔اور جوکوئی مریض ہو یا سفر پر ہو،تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے،سختی کرنا نہیں چاہتا۔اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جارہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے،اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار واعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

(سورہ البقرہ آیت نمبر185)

شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر رات !!

ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

(سورہ القدر آیت نمبر1 تا5)

تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

الحدیث

روزوں کی فضیلت !!!

”آدم کے بیٹے کا نیک عمل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک آگے جتنا اللہ چاہے بڑھایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔“

(ابن ماجہ)

حدیث مبارکہ سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب صدقِ نیت اور اخلاص کی وجہ سے دس گنا سے بڑھ کر سات سو گنا تک بلکہ بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن روزہ کا ثواب بے حد اور بے اندازہ ہے۔یہ کسی ناپ تول اور حساب کتاب کا محتاج نہیں،اس کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔روزے کی اس قدر فضیلت کے درج ذیل اسباب ہیں:

پہلا سبب: روزہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا جبکہ دوسری عبادتوں کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ ان کا حال لوگوں کو معلوم ہوسکتا ہے۔اس لحاظ سے روزہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے۔دوسرا سبب: روزے میں نفس کشی،مشقت اور جسم کو صبر و برداشت کی بھٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔اس میں بھوک، پیاس اور دیگر خواہشاتِ نفسانی پر صبر کرنا پڑتا ہے جبکہ دوسری عبادتوں میں اس قدر مشقت اور نفس کشی نہیں ہے۔

روزہ ڈھال ہے!!!

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(نسائی)

”روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسے تم میں سے کسی شخص کے پاس لڑائی کی ڈھال ہو۔“

امتیاز عالم کی نامعلوم افراد کے ہاتھوں شہادت!!! کشمیری سراپا احتجاج

احتجاجاً ادارتی صفحہ خالی ہے۔۔۔

"بلڈوزر" کا سفر غزہ سے سری نگر تک

بھارتی شہروں میں مسلمانوں کی کچی بستیاں گرانے والا بلڈوزر آخرکار کشمیر بھی پہنچ گیا

یوں لگتا ہے وادی کشمیر فلسطین کا مغربی کنارہ ہے

وہ شناخت جس پر اسے ناز اور فخر ہوتا تھا آج چیتھڑوں میں ڈھل رہی ہے

سید عارف بہار

بلڈوزر کے مسلمانوں پر عتاب کا آغاز فلسطین سے ہوا جہاں اسرائیل نے حریت پسند فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کرنے کا آغاز کیا اوراس کا مقصد لوگوں میں چھت چھن جانے کا خوف پیدا کرنا تھا بعد میں بلڈوزر کا یہ سفر دہلی تک جا پہنچا جہاں بلڈوزر مسلمانوں پر مودی حکومت کے ایک عتاب اور عذاب کی علامت بن گیا۔ یوپی کی ریاست میں یوگی ادتیہ ناتھ جیسے سخت گیر اور کٹر ہندو وزیر اعلیٰ نے بلڈوزر کو مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں کو مسمار کرنے کے خلاف بے دردی سے استعمال کیا شاید یہی وجہ ہے کہ بھارت کے مسلمان راہنما یہ کہنے لگے تھے کہ اگلے الیکشن میں نریندر مودی کو اپنا انتخابی نشان بلڈوزر کو رکھنا چاہئے کیونکہ نریندر مودی نے بلڈوزر کو مسلمانوں کے لئے

خوف ودہشت کی علامت بنا دیا ہے۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ان حالات کی گونج بھارت کے اعلیٰ ایوانوں تک میں سنائی دینے لگی ہے۔ بھارت اپنے طے کردہ راستے پر کسی ردعمل اور بدنامی

بلڈوزر پالیسی کی گونج بھارتی لوک سبھا میں بھی سنائی دی ہے جہاں فاروق عبداللہ کی جماعت نیشنل کانفرنس کے رکن لوک سبھا حسنین مسعودی نے ایک زوردار تقریر میں بھارت کی بلڈزور پالیسی کو ہدف تنقید بنایا۔ حسنین مسعودی کا کہنا تھا کہ ایسا لگتا ہے کہ وادی کشمیر فلسطین بن گئی ہے۔ کشمیر میں بلڈوزر راج کے ذریعے عوام کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر صبح بلڈوزر بستیوں میں داخل ہوتے ہیں اور تجاوزات کے نام پر غریب لوگوں کی چھوٹی دکانوں اور مکانوں کا مسمار کر دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے فلسطین کا مغربی کنارہ ہے

کے خوف سے بے نیاز ہو کر چل رہا ہے۔ وہ راستہ یہ ہے کہ وقت کم اور مقابلہ سخت کے اصول پر چلتے ہوئے کشمیر کو اپنی گرفت میں لینا اور یہاں کی زمین اور جائیداد پر قبضہ جمانا ہے، تا کہ بعد میں اس کا استعمال اپنی پسند اور منصوبوں کے مطابق کیا جائے۔ اسی کوشش میں بھارتی شہروں میں مسلمانوں کی کچی بستیاں گرانے والا بلڈوزر آخرکار کشمیر بھی پہنچ گیا۔ سرکاری زمینوں پر قبضے خالی کرانے کے نام پر غریب افراد کی بستیوں گھروں اور دکانوں کو مسمار کرنے کی مہم زور وشور سے شروع ہوگئی ہے۔ جس کے خلاف کشمیر کی مقامی آبادی میں خوف اور دہشت کے سایوں تلے بھی احتجاج ہونے لگا ہے۔ جو بلڈوزر پہلے ہی بھارتی مسلمانوں کے لئے خوف اور انتقام کی علامت تھا وہ اب کشمیریوں پر بھی برسنے لگا ہے۔ بلڈوزر پالیسی کی گونج بھارتی لوک سبھا میں بھی سنائی دی ہے جہاں فاروق عبداللہ کی جماعت نیشنل کانفرنس کے رکن لوک سبھا حسنین مسعودی نے ایک زوردار تقریر میں بھارت کی بلڈزور پالیسی کو ہدف تنقید بنایا۔ حسنین مسعودی کا کہنا تھا کہ ایسا لگتا ہے کہ وادی کشمیر فلسطین بن گئی ہے۔ کشمیر میں بلڈوزر راج کے ذریعے عوام کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر صبح بلڈوزر بستیوں میں داخل ہوتے ہیں اور تجاوزات کے نام پر غریب لوگوں کی چھوٹی دکانوں اور مکانوں کا مسمار کر دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے فلسطین کا مغربی کنارہ ہے۔ حسنین مسعودی کا کہنا تھا کہ مودی حکومت نے دہلی میں سرکاری زمینوں پر قائم سترہ سو بستیوں کو باضابطہ بنایا گیا۔ ممبئی میں نصف آبادی سرکاری اراضی پر قابض ہے گجرات میں پچیس فیصد گھر سرکاری آبادی پر ہیں۔ صرف کشمیر میں سرکاری اراضی واگزار کرنے کے نام پر ایک کھیل چل رہا ہے۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ ایک مخصوص طبقے کو نشانہ بنا کر

کشمیری عوام چار عشروں سے جس جرأت اور بہادری سے لڑے اس نے مزاحمت کی تاریخ اور تحریکوں کو ایک نیا عنوان اور نام دیا ہے۔ اس بہادر قوم کے دو نوجوانوں نے تین دن تک محصور رہ کر بھارت کے سینکڑوں فوجیوں کا مقابلہ کیا۔ اس قوم نے چھ چھ ماہ تک محاصرے اور لاک ڈاون میں بھی کمال خود داری خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کا مظاہرہ کیا۔ اس قوم نے اپنے شہیدوں کی موت کو سیلیبریٹ کرکے انہیں معاشرے کا ہیرو اور نوجوانوں کا رول ماڈل بنا کر مزاحمت کو معاشرے کا مجموعی رواج اور چلن بنا دیا۔ اس کا المیہ یہ رہا کہ کامیاب اور بہتر وکیل میسر نہ آسکا۔ آج وہ مقام ہے کہ بھارت ان سے تاریخ اور جغرافیہ دونوں چھین رہا ہے

آبادی کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔ رکن لوک سبھا کا کہنا تھا کہ کلچرل پروگراموں اور کھیلوں کے مقابلوں کے ذریعے حالات کے نارمل ہونے کا دعوٰی اگر درست ہے تو جموں وکشمیر میں الیکشن کرائے جائیں۔ نیشنل کانفرنس کے رکن لوک سبھا کی طرف سے بھارتی پارلیمنٹ میں یہ تلخ زبان اب خوف کی تنی چادر میں چھید ہونے کا پتا دے رہی ہے۔ اسی دوران بلڈوزر پالیسی کے خلاف بطور احتجاج محبوبہ مفتی نے بھی دہلی میں پارلیمنٹ ہاؤس تک مارچ کرنے کی کوشش کی۔ پولیس نے انہیں گرفتار کرکے پارلیمنٹ تک پہنچنے سے روک دیا۔ اس موقع پر محبوبہ مفتی نے کہا کہ حکومت نے ہمیں پارلیمنٹ کے سامنے احتجاج نہیں کرنے دیا۔ سوشل میڈیا پر بھارتی میڈیا گروپ ''دی وائر'' کی ایک وڈیو وائرل ہے جس میں سری نگر کے وسط زینہ کدل کے ایک بازار میں کھڑے عام شہری سے بھارت کی معروف صحافی عارفہ

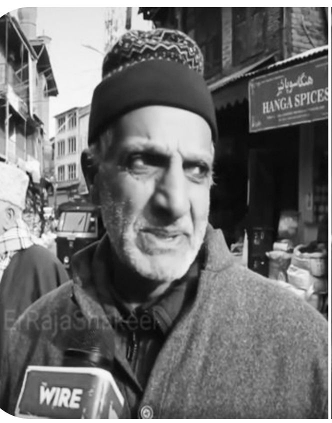

خانم شیروانی سوال پوچھ رہی ہیں کہ کشمیر کے حالات کیسے ہیں۔ شہری بے زاری اور بے بسی کے انداز میں جواب دیتا ہے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ صحافی پھر پوچھتی ہیں کہ آپ کے چہرے سے تو ٹھیک نہیں لگ رہے۔ شہری پھر غصے بھری ہنسی کے ساتھ کہتا ہے نہیں حالات تو ٹھیک ہیں۔ چل رہے ہیں بس زندگی چل رہی ہے۔ صحافی پھر پوچھتی ہیں کہ کچھ کہنا چاہتے ہیں شہری جواب دیتا ہے کہ نہیں کچھ نہیں۔ تھینک یو۔ صحافی پوچھتی ہیں اگر کہیں گے تو مشکل ہوگی آپ کو لگتا ہے؟ شہری پھر بے بسی سے جواب دیتا ہے کہ کہنے کو کیا رہ گیا ہے اب۔ بس دن کاٹ رہے ہیں اللہ مالک ہے۔ صحافی پوچھتی ہیں آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ حالات ہی ایسے ہیں۔ کوئی بولتا ہے شام کو اس کو اُٹھا لیا جاتا ہے۔ بس چل رہا ہے اللہ مالک ہے۔ کشمیر کے عام شہری کے اس لہجے میں زمانے بھر کی ناراضی اور بے بسی سمٹ کر آئی ہے۔ یوں کشمیری شہری کے بھارتی صحافی سے ہونے والے اس مکالمے پر یہ بول صادق آتے ہیں۔ کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے کچھ کہتے کہتے رہ بھی گئے۔ یہ ایک فرد کی بے بسی اور غصہ نہیں یہ ایک قوم کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی علامت ہے۔ ایک ایسی قوم جو حالات سے بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے اب اپنے جذبات کا اظہار کرنے سے بھی عاجز ہو چکی ہے۔ اس کے وکیلوں نے اس کا مان توڑ دیا ہے اور بھارت تنہا کمزور اور بے بس دیکھ کر اس پر جھپٹ پڑا ہے۔ اب اس قوم کے پاس کھونے کو کچھ بچا ہے نہ کہنے کو کچھ باقی ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار کشمیری شہری نے کیا ہے۔ کشمیری عوام چار عشروں سے جس جرأت اور بہادری سے لڑے اس نے مزاحمت کی تاریخ اور تحریکوں کو ایک نیا عنوان اور نام دیا ہے۔ اس بہادر قوم کے دو نوجوانوں نے تین دن تک محصور رہ کر بھارت کے سینکڑوں فوجیوں کا مقابلہ کیا۔ اس قوم نے چھ چھ ماہ تک محاصرے اور لاک ڈاون میں بھی کمال خود داری خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کا مظاہرہ کیا۔ اس قوم نے اپنے شہیدوں کی موت کو سیلیبریٹ کرکے انہیں معاشرے کا ہیرو اور نوجوانوں کا رول ماڈل بنا کر مزاحمت کو معاشرے کا مجموعی رواج اور چلن بنا دیا۔ اس کا المیہ یہ رہا کہ کامیاب اور بہتر وکیل میسر نہ آسکا۔ آج وہ مقام ہے کہ بھارت ان سے تاریخ اور جغرافیہ دونوں چھین رہا ہے۔ ان کی شناخت کا دامن تار تار کر دیا گیا ہے۔ وہ شناخت جس پر اسے ناز اور فخر ہوتا تھا آج چیتھڑوں میں ڈھل رہی ہے۔ یہ لوگ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ''میں بہادر ہوں مگر ہارے ہوئے لشکر میں ہوں''۔ پاکستان کی حکومتوں اور او آئی سی جیسے ملکوں کی خاموشی نے کشمیریوں کے دل توڑ دیئے ہیں کیونکہ یہ وہ معاشرہ ہے جو دنیا میں کسی مسلمان کو کانٹا چبھنے پر بھی سینہ کوبی کرکے اپنا حال خراب کر دیتی ہے۔ پانچ اگست 2019 کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال نے کشمیریوں کو پتھر کی مُورت بنا دیا ہے۔ ایک طوفان ان کے دلوں میں مچل رہا ہے۔ یہ طوفان جلد یا بدیر اپنے لئے راستہ تلاش کر لے گا۔

جناب سید عارف بہار آزاد کشمیر کے معروف صحافی دانشور اور مصنف ہیں۔ کئی پاکستانی اخبارات اور عالمی شہرت یافتہ جرائد میں لکھتے ہیں۔ تحریک آزادی کشمیر کی ترجمانی کا الحمدللہ پورا حق ادا کر رہے ہیں۔ کشمیر الیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

امتیاز عالم شہیدؒ کی یاد میں

شہید ایک سوچ وفکر اور نظریہ کا نام تھے، جنہوں نے زندگی تحریک کیلئے صرف کردی

ان کی انتھک جدوجہد کو تاریخ کشمیر میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہی معلوم ہوگا کہ کشمیری مجاہدین کی ٹارگٹ کلنگ میں کون ملوث ہے

اس بہیمانہ قتل کے مقاصد صاف ہیں۔مایوسی پھیلا کر پھوٹ ڈالنا، تحریکی صفوں میں خوف وہراس پیدا کرنا اور پاکستان سے کشمیری عوام کو بدظن کرنا

غلام اللہ کیانی

مقبوضہ جموں وکشمیر کی سب سے بڑی عسکری تنظیم اور کشمیری مزاحمت کی علامت حزب المجاہدین کے ایک معروف رہنما بشیر احمد پیر المعروف امتیاز عالم کو راولپنڈی میں شہید ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا ہے لیکن ابھی تک قتل میں ملوث کسی بھی مشکوک شخص کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔یہ ایسا ہی ہے کہ اسرائیلی موساد کسی فلسطینی جہادی کمانڈر کو کسی عرب ملک میں ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنائے اور کسی کو خبر ہی نہ ہو۔امتیاز عالم کا تعلق تحریک آزادی کے گیٹ وے مقبوضہ کپواڑہ کے کرالپورہ علاقے سے تھا۔ان کے والد اور ایک بھائی کو بھی قابض بھارتی فوجیوں نے شہید کر دیا۔ ان کا مضبوط جہادی پس منظر تھا۔وہ کسی قسم کے کمپرومائز کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔امتیاز عالم راولپنڈی کے ایک معروف علاقے ڈھنہ پل کے نزدیک برما ٹاؤن کی مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد گھر جاتے ہوئے نامعلوم موٹر سائیکل سواروں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔شہید ایک سوچ وفکر اور نظریہ کا نام تھے، جنہوں نے زندگی تحریک کیلئے صرف کردی۔ شاہدین کہتے ہیں جب آپ کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تو آپ نے کلمہ پڑھا اور زمین پر گر پڑے۔قریب ہی موجود ایک خاتون نے اپنے گھر سے آب زم زم لا کر اُن کو پلانے کی کوشش کی۔1990ء میں حزبُ المجاہدین کی صفوں میں شمولیت شامل ہونے والے کمانڈر اسی سال ظفر کھنی کپواڑہ میں بھارتی فورسز کے ساتھ ایک جھڑپ میں شدید زخمی ہو کر گرفتار ہوئے۔دو سال جیل میں رہنے کے بعد رہا ہوتے ہی میدانِ عمل میں کود پڑے۔ڈسٹرکٹ کمانڈر، شمالی کشمیر کے اضلاع کپواڑہ، باندی پورہ اور بارہمولہ میں حزبُ المجاہدین کو منظم کیا، ان کے والد سکندر پیر شہیدؒ اور بھائی نذیر پیر شہیدؒ کو بھارتی فوج نے ان کا انتقام لینے کے لئے شہید کیا۔1999ء میں بیس کیمپ کی طرف ہجرت کی۔اُن کی والدہ چار سال قبل ہجرت کے دوران ہی اس

دُنیا فانی سے رخصت ہوگئیں۔ امتیاز عالم شہیدؒ نے بھارتی قابض سامراج کیخلاف علمِ جہاد بلند کیا، جدوجہد آزادی کیلئے زندگی کا ہر لمحہ قربان کیا۔ریاست کے برف پوش پہاڑوں، جنگلوں اور وادیوں میں 33 سال سے بھارتی فورسز کیخلاف جدوجہد کی۔اُن کے والد اور بھائی کی مظلومانہ شہادت کے بعد قابض فورسز نے ان کا آبائی مکان بھی خاکستر کیا۔ان کی انتھک جدوجہد کو تاریخ کشمیر میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔وہ ایک تعلیم یافتہ اور دین دار شخصیت تھے۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ اور پانچ بچے شامل ہیں۔

چند برس قبل حریت کانفرنس کے ایک رہنما اور سابق جہادی کمانڈر، ایک مخلص اور دردمند شخصیت شوکت احمد وانی المعروف راشد وانی ساکنہ کپواڑہ کو بھی راولپنڈی کے علاقے میں مری روڈ کے نزدیک شام کے وقت موٹر سائیکل سواروں نے گولی مار دی۔وہ چند ماہ ہسپتال میں رہنے کے بعد صحت یاب ہوئے تاہم تین سال پہلے نماز تراویح کی ادائیگی کے دوران حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے اس دنیا سے چل بسے۔انہوں نے راقم کو بتایا کہ دو موٹر سائیکل سواروں نے سر راہ پیدل چلتے ہوئے انہیں ہینڈز اپ کرایا، وہ ان کے قریب جانے کے لئے مسلسل چلتے رہے مگر قریب پہنچتے ہی انہیں گولی مار کر فرار ہو گئے۔گولی ان کے سینے کے بجائے پنڈلی میں لگی۔گو کہ راولپنڈی میں چند سال سے کراچی کی طرز پر موٹر سائیکل سواروں کی جرائم وارادات بڑھ رہی ہیں۔اسے بھی ایسا ہی واقعہ سمجھا گیا۔تاہم کہتے ہیں کہ امتیاز عالم کو شناخت معلوم کرنے کے بعد قتل کیا گیا۔اس لئے اسے ایسے جرائم کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔اگر سیکورٹی اداروں نے انہیں پیشگی خبردار کیا تھا کہ تحریک طالبان پاکستان سے ان کی جان کو خطرہ ہے تو بات واضح ہے کہ ٹی ٹی پی، داعش خراساں چیپٹر کو بھارت کا آلہ کار سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ کوئی کسی کشمیری کی جان کیوں لے گی۔ذرائع کہتے ہیں کہ امتیاز عالم کی کسی سے کوئی ذاتی لڑائی بھی نہ تھی نہ ہی کسی کے ساتھ لین دین کا معاملہ تھا۔

اکتوبر2022 کو بھارتی وزارت داخلہ نے امتیاز عالم کو کالے قانون غیر قانونی سرگرمیاں (روک تھام) ایکٹ کے تحت دہشت گرد نامزد کیا تھا۔2020 کو جہاد کونسل کے چیئرمین اور حزب المجاہدین کے سربراہ سید صلاح الدین کو بھی بم دھماکے میں قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔حزب المجاہدین کے اس رہنما کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنا کرایک واضح پیغام دیا گیا ہے۔اس سے پہلے لاہور میں جماعت الدعوہ کے سربراہ پروفیسر حافظ سعید کو گھر میں گھس کرقتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ان کے گھر کے قریب دھماکے میں پانچ افراد شہید ہوئے۔اس کے تمام کردار

2020 کو جہاد کونسل کے چیئرمین اور حزب المجاہدین کے سربراہ سید صلاح الدین کو بھی بم دھماکے میں قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔حزب المجاہدین کے اس رہنما کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنا کرایک واضح پیغام دیا گیا ہے۔اس سے پہلے لاہور میں جماعت الدعوہ کے سربراہ پروفیسر حافظ سعید کو گھر میں گھس کرقتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ان کے گھر کے قریب دھماکے میں پانچ افراد شہید ہوئے۔اس کے تمام کردار گرفتار ہوئے۔بعض کو سزا بھی ہوئی۔ان کا تعلق بھارت کی دہشتگرد ایجنسی راء سے جڑا ہے۔اس سلسلے میں اقوام متحدہ کو ڈوزیئر بھی دیا گیا ہے

گرفتار ہوئے۔بعض کو سزا بھی ہوئی۔ان کا تعلق بھارت کی دہشتگرد ایجنسی راء سے جڑا ہے۔اس سلسلے میں اقوام متحدہ کو ڈوزیئر بھی دیا گیا ہے۔

امتیاز عالم کے قتل کے مقاصد صاف ہیں۔دشمن اول تو تنظیم کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔دوم وہ مایوسی پھیلا کر پھوٹ ڈالنا چاہتا ہے۔سوم، وہ تحریک کی صفوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا چاہتا ہے۔چہارم، وہ باہمی اختلافات، بددلی، نفرت اور انتقام کی فضا کی راہ ہموار کرنے کے درپے ہے۔پنجم، کشمیری حریت پسندوں اور پاکستانی اداروں کے درمیان چپقلش، دوری پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔یعنی بعض لوگ شکوک و شبہات میں تنظیمی قیادت اور بعض ادارے کو اس قتل میں ملوث قرار دیں گے اور حقائق سے دور ہو جائیں گے۔اب یہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہی معلوم ہوگا کہ کشمیری مجاہدین کی ٹارگٹ کلنگ میں کون ملوث ہے۔راولپنڈی کو سیف سٹی سمجھا جاتا ہے۔قاتلوں نے کوئی نہ کوئی ثبوت چھوڑا ہوگا جو اس قتل کے اصل محرکات سامنے لانے میں معاون ثابت ہوگا۔اگر اس قتل میں بھارت براہ راست ملوث ہے تو یہ بھی ایک چیلنج ہوگا کہ بھارت کیسے ملک کے دارالحکومت کے جڑواں شہر میں آسانی سے کسی کو نشانہ بنانے کا کامیاب تجربہ کرسکتا ہے اور اس کے مقاصد کو کیسے ناکام کیا جائے گا۔

غلام اللہ کیانی معروف کشمیری صحافی، دانشور اور کالم نگار ہیں۔کشمیرالیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

''شہیدامتیاز عالم''

عادل وانی

خونِ جگر دے کر نکھاریں گے برگِ رُخِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

ہم وہ حوصلہ کہاں سے لائیں کہ تیری ہمت کو بیان کرسکیں! ہم وہ دل کہاں سے ڈھونڈیں جو تیری محبتوں کو سماسکیں! ہم وہ نظر کہاں سے تلاش کریں جو تیری بصیرتوں کی امین کہلا سکے! ہم وہ ارادہ کہاں سے مستعار لیں جو تیرے عزم کو بیان کرنے کی جرأت بھی کرے! ہمیں تو تیرے عزم وحوصلہ کے سامنے ہمالیہ بھی چھوٹا لگتا ہے۔ ہمیں تو تیری محبتوں اور عظمتوں کو بیان کرنے کے لئے سمندر بھی ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں تو تیری ثبات اور استقلال کے سامنے چٹان بھی شرمندہ نظر آتے ہیں۔ ہمیں تو تیری دنوں کی شہسواری اور راتوں کی شب بیداری کے طویل اور مستقل وظیفے کے سامنے آسمان کی بلندیوں پر چمکنے اور دمکنے والے ستارے بھی محوِ رشک دکھائی دیتے ہیں۔ قصہ مختصر تو یہ ہے کہ آپ نے وفا، ثابت قدمی، عزیمت، بصیرت، تڑپ، لگن، جانثاری، فقر اور درویشی کو نئے معنٰی اور عنوان دے دیئے ہیں۔

ہمیں بھی یہ شرف اور اعزاز نصیب ہوا کہ ہم آپ کے اُس ''مقدس جنازے'' میں شریک ہوئے جس نے بے شمار زندوں کو زندگی کا ڈھنگ اور سلیقہ سمجھا دیا، جس نے اُمیدوں کے نئے جُوت جگا دیئے، جس نے جذبوں کو نئی مہمیز عطا کیں، جس نے تاریکیوں میں روشنی کا ایسا سامان فراہم کیا کہ سب نشیب وفراز کو دیکھنا ممکن ہوا، جس نے مقصد اور نصب العین کے ساتھ ہماری وابستگی کی تجدید کا بھی سامان فراہم کیا۔ جس نے غیرت اور قوت کے نئے عنوان ہمارے سامنے رکھ دیئے اور خاصکر آپ کا جنازہ ہمیں یہ اہم پیغام بھی سنا کر گیا کہ ہمیں جاگتے رہنا ہے، پہرہ دیتے رہنا ہے محتاط رہنا ہے، مربوط اور منظّم رہنا ہے، کندھے سے کندھا ملا کر چلنا ہے اور تمام تر مشکلات ومصائب اور جبر کے باوجود ہر حال میں اور ہر انداز میں کھڑے رہنا ہے، جمے رہنا ہے اور ڈٹے رہنا ہے۔

آپ واقعی ''امتیاز'' تھے۔ آپ کے کردار کا ایک ایک پہلو ''امتیاز'' تھا۔ ہم سب بیک زبان معترف اور گواہ ہیں کہ آپ نے اپنے نام ''امتیاز'' کی ایسے لاج رکھی کہ تاریخ اس نام ''امتیاز'' پر صدیوں تک فخر کرنے پر ناز کرے گی۔ میرے بھائی، میرے ہمدم اور میرے دوست میری اس ندامت اور شرمندگی نے مجھے بے چین اور بے قرار کردیا ہے کہ کاش مجھے یہ تحریر آپ کے جیتے جی لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہوتی۔ یہ بھی ہمارے ذہنی بانجھ پن اور ناقدری کی علامت ہے کہ ہم زندوں کے مقابلے میں شہیدوں ''مُردوں'' کی زیادہ تعریفیں کرتے ہیں۔ ہم زندوں میں عیب اور مُردوں میں خوبیاں تلاش کرنے کے ماہر بلکہ فنکار ہیں! میرے دوست مجھے معاف کرنا ہم سے بھی یہ کوتاہی سرزد ہوئی ہے لیکن اب ہمارا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ آج سے ہم شہیدوں سے پہلے ''غازیوں'' کے تزکرے اور کارنامے لکھا کریں گے۔ آپ سُرخرو ٹھہرے ہیں، آپ منزلِ مراد پا چکے ہیں۔ آپ کو جنتوں میں اپنے رب کی رضا اور سلام مبارک ہو، آپ کو شہداء کا استقبال مبارک ہو، آپ کو ابدی کامیابی مبارک ہو۔ ہمارا آپ سے اور لاکھوں شہداء سے یہ وعدہ ہے کہ ان شاءاللہ ہم بھی ہر جبر کے باوجود ہر قیمت پر اپنے مقدس مقصد اور نصب العین کی آخری سانس تک آبیاری کریں گے۔ امتیاز صاحب میں ایک اور سچائی کا بانگِ دہل اعتراف کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل و دماغ پر موجود بوجھ کچھ ہلکا ہوسکے۔ کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ میں کس ''اعتراف'' کی بات کررہا ہوں؟ میں اب آپ کو پریشان بھی نہیں کرسکتا! کیونکہ اب آپ جنتوں کے مکین اور مہمان بن چکے ہیں۔ ویسے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے لکھنے کا شوق ہے اور دہائیوں کے اس شوق نے اب میرے پاس الفاظ اور انداز کا ایک ''انبار'' سا لگا دیا ہے مگر آپ وہ پہلے عزیمتوں کے مسافر ہیں کہ جس کا تذکرہ لکھتے ہوئے میرے ''الفاظ'' بھی مجھے بار بار یہ کہتے دکھائی دیئے کہ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

اللہ حافظ

آپ واقعی ''امتیاز'' تھے۔ آپ کے کردار کا ایک ایک پہلو ''امتیاز'' تھا۔ ہم سب بیک زبان معترف اور گواہ ہیں کہ آپ نے اپنے نام ''امتیاز'' کی ایسے لاج رکھی کہ تاریخ اس نام ''امتیاز'' پر صدیوں تک فخر کرنے پر ناز کرے گی۔ میرے بھائی، میرے ہمدم اور میرے دوست میری اس ندامت اور شرمندگی نے مجھے بے چین اور بے قرار کردیا ہے کہ کاش مجھے یہ تحریر آپ کے جیتے جی لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہوتی۔ یہ بھی ہمارے ذہنی بانجھ پن اور ناقدری کی علامت ہے کہ ہم زندوں کے مقابلے میں شہیدوں ''مُردوں'' کی زیادہ تعریفیں کرتے ہیں

وہ جانثار چلا گیا!!!

اویس بلال

مقبوضہ جموں وکشمیر کی آزادی کا واحد راستہ عسکری جدوجہد ہے، یہ الفاظ، جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار حزب المجاھدین کے مردمجاہد کمانڈر امتیاز عالم شہیدؒ، کے تھے، جہاد مجاہد کے لئے سمندر ہوتا ہے جس میں وہ مچھلی کی طرح تیرتا پھرتا ہے جنگ ہی اس کی روح ہوتی ہے اور جنگ ہی اس کی خوشبو۔حزب المجاھدین کے معروف کمانڈر جنہوں نے اس تحریک آزادی کے لیے سب کچھ نچھاور کردیا، اپنی جان والدصاحب اور بھائی بھی شہید ہوئے۔یہی نہیں بلکہ بھارتی سامراج نے ان کے مکان کو خاکستر کردیا، باغ کو تہس نہس کردیا۔شہید کمانڈر کئی معرکوں میں زخمی بھی ہوئے، مگر اپنے مقصد سے آخری دم تک جڑے رہے، اتنی قربانی دینے کے باوجود وہ اب بھی گھر میں زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔مجاہد اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت کی تلاش میں رہتا ہے۔اسی طرح انہوں نے بھی اپنی روح کو اس کی مرضی پر چھوڑ رکھا تھا۔اول تو وہ مظلوم کشمیری عوام کی نصرت وحمایت اور جنت کے شوق میں اپنا لہو بہا دینا چاہتا تھا جو اس نے 20 فروری 2023 کو نماز مغرب کے فوراً بعد ثابت کردیا کہ نامعلوم افراد نے انہیں گولیاں مار کر شہید کردیا۔ ڈوڈہ کے کمانڈر ادریس بھائی گویا ہوئے کہ میدان کارزار کے حوالے سے امتیاز عالم صاحب ہم سے مشورہ لیا کرتے تھے ہمارا یہ عظیم مجاہد مقبوضہ جموں وکشمیر کے بارے میں بڑا فکر مند تھا، ان کے جنازے میں شریک نوجوانوں اور بزرگوں کی آنکھوں کو شہید امتیاز عالم کے غم میں نم دیکھا ہے۔ہر شخص غم کی تصویر بنا ہوا تھا گویا اس کا کوئی نہایت قریبی دوست، عزیز اللہ کو پیارا ہوگیا ہو، شہید موصوف مجاہدین کے ایک اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاد کے بغیر ہم کشمیر کو فتح نہیں کر سکتے عسکری جدوجہد سے ہی ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔کشمیر کی سنگین صورتحال کو ہم سب خوب سمجھتے ہیں کہ مظلوم کشمیری عوام کے ساتھ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔بیس کیمپ کے حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ معذرت خواہانہ رویہ ترک کریں اپنے ازلی دشمن بھارت سامراج کو نکیل ڈالیں۔کمانڈر امتیاز عالم ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا مگر اس کی یادیں تا حیات مجاہدین کے دلوں میں زندہ رہیں گی۔اس کی باتیں اسکے جذبے اور کارنامے ہر معرکے میں ہماری راہنمائی کرتی رہیں گے۔آنکھیں اس کی یاد میں اشک بار، وہ کسی کا بھائی اور کسی کا بیٹا نہیں وہ تو مقبوضہ جموں وکشمیر کا ایک نڈر اور بہادر سپوت تھا۔

> مقبوضہ جموں وکشمیر کی آزادی کا واحد راستہ عسکری جدوجہد ہے، یہ الفاظ، جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار حزب المجاھدین کے مردمجاہد کمانڈر امتیاز عالم شہیدؒ، کے تھے، جہاد مجاہد کے لئے سمندر ہوتا ہے جس میں وہ مچھلی کی طرح تیرتا پھرتا ہے جنگ ہی اس کی روح ہوتی ہے اور جنگ ہی اس کی خوشبو۔حزب المجاھدین کے معروف کمانڈر جنہوں نے اس تحریک آزادی کے لیے سب کچھ نچھاور کردیا، اپنی جان والدصاحب اور بھائی بھی شہید ہوئے

امتیاز عالم نے اپنی عسکری مہارت کے ساتھ قابض بھارتی فوج پر اپنی کارروائیوں کے ذریعے ایسی دھاک بٹھادی تھی کہ دشمن ان کے نام سے کانپتا تھا۔آپ اپنے کام میں ماہر تھے۔غالباً 1992 میں ایک معرکے کے دوران آپ زخمی حالت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔یہ بھارتی فوج کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔وادی کشمیر سے آپکو جموں جیل منتقل کیا گیا، کشتواڑ کے فاروق دیوا اور غلام محمد آہنگر بھی آپ کے ساتھ زیر حراست تھے۔انٹروگیشن سینٹر میں آپ پر بے انتہا تشدد کیا گیا، جیل سے بھی میدان کارزار کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے اور اپنے مشوروں سے نوازتے تھے۔بیس کیمپ ہو یا میدان کارزار ساتھیوں کے لئے بہترین دوست تھے۔ان کے غم بانٹتے اور ان کے کام میں مدد کرنے کی کوشش کرتے تھے۔کمانڈر امتیاز عالم دشمن کے لئے فولاد تھے، اپنوں کے لیے نرم،، رزم حق وباطل تو فولاد ہے مومن، دشمن نے شہید امتیاز عالم کو گرفتار یا شہید کرنے کے لئے لاکھوں روپے انعام بھی رکھے تھے۔یہ ایک ایسا مجاہد تھا جو بھارتی فوج کے لئے خوف کی علامت بن چکا تھا، ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ”لہو میں بھیگا وہ گل سا چہرہ“۔ہر وقت کشمیر کی موجودہ صورتحال پر فکر کرنے والا ہمارا پیارا دوست ہم سے بچھڑ گیا۔لیکن کیا کیا جائے حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے اور موت تو اٹل حقیقت ہے۔عنایت اللہ بھائی جیل کی آپ بیتی کے بارے میں کہتے ہیں کہ، نومبر 1992 کا واقعہ ہے جب کوٹ بلوال جیل میں بند کشمیری حریت پسند قیدی

> کمانڈر امتیاز عالم ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا مگر اس کی یادیں تا حیات مجاہدین کے دلوں میں زندہ رہیں گی۔اس کی باتیں اسکے جذبے اور کارنامے ہر معرکے میں ہماری راہنمائی کرتی رہیں گے۔آنکھیں اس کی یاد میں اشک بار، وہ کسی کا بھائی اور کسی کا بیٹا نہیں وہ تو مقبوضہ جموں وکشمیر کا ایک نڈر اور بہادر سپوت تھا۔امتیاز عالم نے اپنی عسکری مہارت کے ساتھ قابض بھارتی فوج پر اپنی کارروائیوں کے ذریعے ایسی دھاک بٹھا دی تھی کہ دشمن ان کے نام سے کانپتا تھا

نوجوانوں نے ظالم ڈی ایس پی ڈوگرا کے مظالم کے خلاف بھوک ہڑتال کی تو 6 دن تک جاری رہی ،جس میں کچھ کشمیری قیدی شہید بھی ہوئے ،اور بڑی تعداد میں بیہوش ہوگئے تھے اور تمام قیدی بارکیں توڑ کر ایک گراؤنڈ میں جمع ہوگئے ،اسی دوران میری ملاقات کمانڈر امتیاز عالم سے ہوئی اور انہوں نے کشمیری قیدیوں کو بڑے حوصلے اور اطمینان سے اپنی ہڑتال جاری رکھنے کے لیے دھواں دار تقریر کی اور چھ دن بعد اس ظالم ڈوگرہ ڈی ایس پی کو وہاں سے تبدیل کیا گیا۔ٹنگ مرگ کے مجاہدین کے استاد عبدالجبار صاحب اور امتیاز عالم نے جیل کے احاطے کے اندر جو گفتگو کی اس سے جیل حکام کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے ،دوسرے سیل میں شہید فاضلیؒ نے مجاہدین سے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج جس مرد مجاہد نے خطاب کیا وہ ایک جری کمانڈر ہے۔اس جری کمانڈر کی کن کن خوبیوں کا تذکرہ کروں یہ تحریک آزادی کشمیر کا ایک انمول ہیرا ہے۔ان کے جذبات کی قدر کرنا ہم سب کا فرض بنتا ہے۔کمانڈر امتیاز عالم دشمن کے لئے ایک ننگی تلوار تھا،شوق شہادت سے سرشار،ان کی تمنا یہ تھی کہ دشمن کا زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔انکی یہ بھی خواہش ہے کہ میں رب العالمین کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔بشیر احمد پیر المعروف امتیاز عالم کی جدوجہد آزادی کشمیر کیلئے گرانقدر خدمات یاد رکھی جائے گی۔کمانڈر امتیاز عالم شہیدؒ کی شہادت پر ان کے بڑے فرزند ڈاکٹر منظور احمد نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا، ہمارے والد محترم میں جذبہ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔دین ایمان پر مر مٹنے کا عزم رکھتے تھے۔انہوں نے اپنے عظیم مقصد کے لئے جان دے دی۔ابا جان جو زبان سے کہتے تھے وہ کر کے دکھاتے تھے۔انہوں نے ہمیشہ پامردی دکھائی،حق کا کلمہ بلند کرتے رہے،تحریک آزادی کشمیر کا یہ درویش صفت مجاہد اپنے سر پر شہادت کا تاج سجا گئے۔کمانڈر امتیاز عالم شہیدؒ شاہین صفت مجاہد تھے۔ان کی طبیعت اس کو ہر دم کچھ نہ کچھ کرنے پر اکساتی رہتی تھی۔کبھی کپواڑہ کے گردونواح،کبھی بانڈی پورہ بارہمولہ اور کبھی راجوری پونچھ میں مصروف جہاد رہے۔آخر وہ دن بھی آگیا جس کا انہیں مدت سے انتظار تھا۔20 فروری 2023 کو نماز مغرب ادا کرنے کے بعد شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔انشاء اللہ،شہید امتیاز عالم شہیدؒ کے برادر اور دامادیوں گویا ہوئے،کمانڈر امتیاز عالم شہیدؒ ہمیں یہ سبق دے گئے کہ حق کی راہ میں اپنی پیاری جان قربان کر دو اور مقصد کے ساتھ لگاؤ رکھو اور جہاد کرو۔وہ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے مشن میں کامیاب ہو گئے ہیں اور وہ شہادت جیسی عظیم موت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔اپنے جسم اور سینے پر گولیاں کھا کر اپنا نام روشن کر چکے ہے۔اپنی شہادت سے ایک یوم قبل شہید کے قریبی ساتھی اور دوست عامر نزیر اور بلال شیرا نے بتایا کہ کمانڈر امتیاز عالم شہیدؒ نے اپنے یار دوستوں اور گھر والوں یہ حدیث مبارکہ پیش کی تھی نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستے میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں تین مرتبہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس شہادت کی خواہش کی۔یہ شہادت کیا ہے اللہ تعالی کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے انعام،اللہ تعالی اپنی کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شہید زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے یہی جذبہ جہاد اور شوق شہادت جب قوم کے نوجوانوں میں پیدا ہوتا ہے تو وہ پھر متحرک ہو جاتے ہیں انہیں چین اور قرار نہیں آتا۔ستم کا آشنا تھا وہ سبھی کے دل دکھا گیا،کہ شام غم تو کاٹ لی سحر ہوئی چلا گیا،اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔شہید امتیاز عالمؒ محض ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ ایک سوچ ،فکر اور نظریہ کا نام تھے جنہوں نے پوری زندگی مظلوم قوم کی آزادی کے لیے صرف کر دی،آپ کے نزدیک دوستی اور دشمنی کا معیار صرف اور صرف کلمہ توحید تھا قیام وسجود کا اہتمام،بالخصوص رات کے آخری پہر اٹھ کر حصول رضائے الٰہی کے لئے سر بسجود ہوتے تھے آرزوئے شہادت اس قدر زیادہ تھی کہ جان کو درپیش خطرات کو نظرانداز کر کے اپنے مشن پر ڈٹے رہے اور بالآخر اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ زبان پر کلمہ توحید رواں تھا اور چہرے پر نورانی مسکراہٹ۔عینی شاہدین کے مطابق جب حملہ آوروں نے آپ کو گولیوں کا نشانہ بنایا تو آپ نے بلند آواز سے صدائے توحید بلند کی،اور زمین پر گر پڑے قریب ہی موجود ایک خاتون نے جلدی سے اپنے گھر سے آب زمزم لا کر ان کو پلانے کی کوشش کی،سبحان اللہ،دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی جو چیز آپ کو نصیب ہوئی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شدت پیاس کی وجہ سے پھوٹنے والے مبارک چشمے کا پانی،جی وہی حضرت اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے اللہ تعالی کے راستے میں بخوشی قربان ہونے کو ترجیح دی اور اسی اسماعیل علیہ السلام کی سنت پر چلتے ہوئے حزب المجاہدین کے عظیم رہنما امتیاز عالمؒ نے شہادت کو گلے لگا لیا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

☆☆☆

امام مودودیؒ کے زیر سایہ کچھ مدت تک کام کرنے کو اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھتا ہوں

میرا سید مودودی سے تعلق اس زمانے میں قائم ہوا، جب میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا

مولانا کہتے تھے شیطان یہ چاہتا ہے علماء آپس میں لڑ جائیں اور اس کا کام آسان ہو جائے

تحریکیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سابقون الاولون کے معیار پر سو فیصد تو پورا نہیں اترتیں

خامیاں تو ہوسکتی ہیں اور ہیں۔کمزوریاں ہیں اس کا انکار کرنا درست نہیں لیکن ہم اس راستے کو بالکل ہی بھول گئے ہیں یہ بھی درست نہیں ہے

مرشدی مولانا مودودیؒ کے اردگرد جو لوگ تھے وہ سارے کے سارے قیمتی ہیرے تھے

جناب حافظ ادریس صاحب دامت برکاتہم 17 اکتوبر 1945ء کو چک میانہ ضلع گجرات میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ممتاز عالم دین، محقق، مصنف، کالم نگار، دانشور اور جماعت اسلامی پاکستان کے معروف رہنما ہیں۔انہیں سید مودودیؒ کے ساتھ کام کرنے کا بھی اعزاز حاصل ہوا ہے۔انہی کے حکم پر حافظ صاحب جنوری 1974ء میں افریقہ کے ملک کینیا میں اسلامک فاونڈیشن نیروبی میں بطور ڈائریکٹر ذمہ داریاں ادا کر چکے ہیں۔نومبر 1985ء تک وہ اسی ذمہ داری پر فائز رہے۔بعدازاں مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی، امیر جماعت اسلامی صوبہ پنجاب اور جماعت کے مرکزی نائب امیر کی ذمہ داریاں بھی بحسن خوبی انجام دے چکے ہیں۔آپ نے دین، سیاست، علم و ادب کے میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ آپ کی چالیس کے قریب تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ آپ کے سفر نامے، افسانے اور دیگر موضوعات پر کتابیں ادب میں مقام بنا چکے ہیں۔اس وقت ادارہ معارف اسلامی (اسلامک ریسرچ اکیڈمی) کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام انجام دے رہے ہیں۔سید مودودیؒ نے 1962 میں کراچی میں ادارہ معارف اسلامی (اسلامک ریسرچ اکیڈمی) کے نام سے یہ ادارہ قائم کیا۔اس کے بعد 1979ء میں اسی نام سے ایک ادارہ لاہور میں بھی تشکیل دیا گیا۔اس کے پہلے ڈائریکٹر مولانا خلیل احمد حامدیؒ تھے۔ان کے بعد حافظ محمد ادریس اس منصب پر فائز ہوئے۔یہ تحقیقی اور علمی ادارہ منصورہ میں جماعت اسلامی کے مرکزی دفاتر سے ملحقہ ایک عمارت میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔حافظ ادریس صاحب انتہائی ملنسار، خوش گفتار اور صاحب کردار انسان ہیں۔ان سے گفتگو کر کے سید

مودودیؒ کے دور کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیسے کیسے ہیرے امام مودودیؒ نے تراشے تھے۔ستاروں کے اس جھرمٹ میں حافظ ادریس صاحب ایک روشن ستارے کی مانند اس وقت بھی روشنی بکھیر رہے ہیں۔5 جنوری 2023 کو منصورہ لاہور میں ان سے ملاقات ہوئی۔ان سے ہونے والی گفتگو من وعن قارئین کی نذر ہے۔(شیخ محمد امین)

سوال: حافظ صاحب آپ کے خاندان نے بھارت کے کسی شہر سے ہجرت کی ہے یا آپ یہیں پنجاب کے پشتنی باشندے ہیں۔جماعت اسلامی میں کیسے شامل ہوئے۔۔

جواب: جی میں مقامی ہوں۔میرے والد گرامی فیض محی الدین صاحبؒ مقامی جماعت کے امیر بھی تھے۔ہمارا تعلق ضلع گجرات سے ہے۔ہمارا آبائی پیشہ کاشتکاری ہے۔ہماری اپنی زمینیں ہیں۔ والد صاحب اسی سے پیشے سے منسلک تھے۔ میرے چھوٹے بھائی بھی اسی زمین کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور اللہ کا کرم ہے کہ وہ بھی ارکان جماعت ہیں۔ اور مقامی جماعت کے امیر رہے ہیں۔اس وقت میرا بھانجا اس علاقے کا امیر ہے۔الحمدللہ ہماری چار نسلیں جماعت سے وابستہ رہی ہیں۔ میرے والد صاحب بھی رکن تھے، پھر میں اور میرے بھائی بھی رکن ہیں، ہماری ہمشیرہ بھی رکن تھیں۔پھر میرے دو بیٹے دونوں رکن ہیں۔ایک اللہ کو پیارا ہوگیا ڈاکٹر ہارون ادریس۔۔کرونا کی وجہ سے اس دنیا فانی سے کوچ کر کے ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔بہت ہی ذہین اور قابل تھے یوں سمجھ لیجئے ہمارے خاندان کا ایک ہیرا تھا، جرمنی سے لائبریری سائنس میں پی ایچ ڈی کی اور میرا دوسرا بیٹا بھی رکن جماعت ہے۔اللہ کا فضل یہ ہے کہ اس کے دونوں بیٹے طلحہ ادریس اور داؤد ادریس بھی رکن جماعت ہیں۔اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ پورا خاندان جماعت اسلامی سے وابستہ ہے اور اسی رنگ میں ڈھلا ہوا ہے۔الحمدللہ

سوال: سید مودودیؒ سے آپ کا تعلق کیسے قائم ہوا۔۔۔

جواب: میرا سید مودودیؒ کے ساتھ تعلق اس زمانے میں قائم ہوا، جب میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ان کو پہلی بار 1959 میں دیکھا اور ان سے بالمشافہ ملاقات بھی ہوئی۔چونکہ میں تو ایک دیہاتی طالب علم تھا۔لیکن سید مودودیؒ کی شفقت اور محبت والے انداز گفتگو نے مجھے اس پہلی ہی

ملاقات نے مسحور کردیا، مجھے جس انداز سے ملے، حال احوال پوچھا، حالانکہ میں تو کچھ بھی نہیں تھا، تو اس سے ان کی شخصیت کا میرے دل پر ایک ایسا نقش ثبت ہوا، جو اب تک الحمد للہ اسی انداز میں قائم ہے۔ مجھے وہ منظر اچھی طرح یاد ہے اور میں اسے یاد کرکے اس وقت بھی ایک مسرت انگیز کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ میں اسلامیہ کالج سے انٹر کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں چلا گیا۔ جہاں 1967ء میں بی اے کیا۔ جامعہ پنجاب سے 1969ء میں پہلا ایم اے اسلامک سٹیڈیز میں کیا۔ بی اے اور ایم اے دونوں میں اول پوزیشن لے کر گولڈ میڈلسٹ رہا۔۔۔1968-1970 میں جمعیت کا ناظم بنا۔ یہاں پھر متواتر سیدی سے ان کی عصری نشستوں میں ملاقات ہوا کرتی تھی، ہم کئی دوست وہاں جاتے تھے، لوگ مختلف قسم کے سوالات کرتے تھے، ہم بھی کبھی کبھار سوال کرتے تھے، اور سید علیہ رحمہ پورے دلائل اور حقائق کے ساتھ جوابات دیتے تھے۔ وہاں ہفتہ وار درس قرآن بھی ہوا کرتا تھا اس میں بھی ہم شریک ہوتے تھے، ہم ہاسٹل سے شرکت کے لیے آجاتے تھے۔

سوال: آپ جماعت کی کن کن ذمہ داریوں پر فائز رہے۔ کیا محسوس کررہے ہیں؟

جواب: سید مودودیؒ کے ارشاد پر جنوری 1974ء میں افریقہ کے ملک کینیا میں اسلامک فاونڈیشن نیروبی میں بطور ڈائریکٹر ذمہ داریاں ادا کرنے کیلئے جانا پڑا۔ نیروبی سے نومبر 1985ء میں واپسی ہوئی۔ اس وقت سے اب تک جماعت اسلامی کی مختلف ذمہ داریاں ادا کر رہا ہوں۔ شروع میں جماعت کا مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل تھا۔ 1990ء میں امیر صوبہ پنجاب بنایا گیا۔ 2003ء میں مرکز میں نائب امیر کی ذمہ داری سونپی گئی۔ آج کل ادارہ معارف اسلامی (اسلامک ریسرچ اکیڈمی) کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام انجام دے رہا ہوں۔۔۔۔۔۔

سوال: تعلیم سے فراغت کے بعد سرکاری نوکری کرنے کا دل میں خیال نہیں آیا۔۔۔؟

جواب: سید مودودیؒ سے دوران طالب علمی کافی قربت بڑھ

چکی تھی، اس لئے ان کی ہر بات میرے لئے ایک تابعدار فرزند کی حیثیت رکھتی تھی۔ انہوں نے مجھے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا کہ میں تفہیم القرآن کی جو جلد پنجم چھپی ہے اس کا انڈکس تیار کروانے میں اپنا کردار ادا کروں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کیا کرنا ہے تو فرمایا کہ میں نے اس سلسلے میں دو تین لوگوں کی ذمہ داری لگائی ہے ان کے کاموں کی نگرانی کرنی ہے تو میں نے عرض کیا ٹھیک ہے۔ اس کام کے کچھ مدت بعد انہوں نے کہا اپنا پاسپورٹ فلاں شخص کو دے دیں لیکن جو کام میں آپ کو تفویض کرنے جا رہا ہوں یہ کام آپ کے والدین کی اجازت سے مشروط ہے۔ چونکہ پورا گھرانہ والد صاحب کی کاوشوں اور محنت کی وجہ سے جماعت سے وابستہ تھا، اس لئے انہوں نے مولاناؒ کے حکم کی تعمیل کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح سید مودودیؒ کے ارشاد پر جنوری 1974ء میں افریقہ کے ملک کینیا میں اسلامک فاونڈیشن نیروبی میں بطور ڈائریکٹر ذمہ داریاں ادا کرنے کیلئے جانا پڑا۔ مولاناؒ نے افریقی ممالک میں سے مراکش، تنزانیہ وغیرہ کبھی سفر نہیں کیا تھا لیکن وہاں کے حالات کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے۔ میں 12 برس تک وہاں رہا۔ اس دوران عموماً سال میں ایک یا دو مرتبہ مجھے پاکستان آنے کا موقع ملتا تھا۔ 1978ء تک ہر مرتبہ واپسی پر میں مولانا محترم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ وہاں سے رہنمائی کے لیے کبھی کبھار خطوط بھی ارسال کیے جاتے تھے۔ مولانا مرحوم، افریقہ کے بارے میں اس قدر معلومات رکھتے تھے کہ حیرانی ہوتی، حالانکہ مولانا نے کبھی افریقہ کا دورہ تک نہیں کیا تھا۔ میں نے حبشہ کے ظالم شہنشاہ ہیل سلاسی کا تختہ الٹے جانے کے بعد اس کے مظالم کا تذکرہ کیا تو مولانا نے فرمایا: ''ہیل سلاسی بڑا ظالم اور متعصب عیسائی تھا۔ اس کے دل میں اسلام سے شدید بغض وعناد تھا، مگر نئے آنے والے کمیونسٹ فوجی افسران، مسلمانوں پر اس سے بھی زیادہ ظلم ڈھائیں گے، کیونکہ روس نے جہاں کہیں اپنے حامیوں کو کامیاب کرایا ہے، خوف وہراس کی بدترین فضا پیدا کی ہے۔ اس کے باوجود ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ اریٹیریا کے مسلمانوں کی تحریک اب مضبوط ہو جائے گی، کیونکہ ہیل سلاسی پورے ملک میں اتحاد کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے لیے پایا جانے والا نام نہاد تقدس موجودہ فوجی حکمرانوں کو حاصل نہ ہوگا۔'' یہ بات مولانا مودودیؒ نے اکتوبر 1975ء میں فرمائی تھی۔ کس قدر درست تجزیہ اور کتنی سچی پیش بینی تھی۔ 1993ء میں مسلم علاقہ اریٹیریا حبشہ کی غلامی سے آزاد ہوگیا۔

سوال: سید مودودیؒ کا ان کی ذات پر کیچڑ اچھالنے والوں اور ان کے نظریات کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ کیسا رویہ تھا؟

جواب: مولانا کے جو مخالفین تھے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ شروع دن سے جو مخالف تھے، مولانا نے ان کے خلاف کبھی بھی ہتک آمیز بات نہیں کی۔ ان کی الزام تراشیوں کو ہمیشہ سنی ان سنی کر دیتے۔ کبھی ساتھی، کارکن، احباب سوال بھی کرتے، کہ مولانا یہ لوگ حد سے گزر رہے ہیں۔ آپ ان کا جواب کیوں

نہیں دیتے؟ تو مولانا کہتے تھے شیطان یہ چاہتا ہے یہ آپس میں لڑ جائیں اور اس کا کام آسان ہو جائے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ یہ علمائے دین نہیں جانتے یا ان کو اس بات کا احساس نہیں لیکن مجھے اس بات کا احساس ہے میں ان کے ساتھ لڑائی نہیں لڑوں گا یہ میرے اوپر جھوٹے الزامات لگاتے ہیں شاید اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں مجھے دینے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ اگر یہ میری نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر رہے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہے۔

سوال۔۔۔۔کئی جید علماء ودانشور جن میں مولانا علی میاںؒ شامل ہیں کا خیال ہے کہ جماعت اسلامی کو انتخابی سیاست سے دور رہنا چاہیئے تھا۔ان کا سیدؒ کے ساتھ صرف اس نقطے پر اختلاف تھا؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: ان کی جو سوچ، رائے یا اختلاف ہے وہ میرے نزدیک منفی نہیں ہے۔اختلاف میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن ذاتی طور پر مجھے انتخابی سیاست میں حصہ لینے پر اعتراض نہ تھا نہ ہے۔کیونکہ میری رائے کے مطابق الیکشن سے نقصان نہیں پہنچا ہے بلکہ فائدہ ہی پہنچا ہے۔الیکشن عوام الناس کو اپنے ساتھ ملانے کی کاوش ہے ہم کامیاب نہیں بھی ہوں تو بھی جدوجہد کا یہ ایک آئینی راستہ ہے۔ہم کوئی انڈر گراؤنڈ کام کرنا نہیں چاہتے۔اور الگ تھلگ رہ کر بھی بیٹھ نہیں سکتے۔ہمیں سارے معاملے سے کنسرن ہے۔ہمارے لوگ اسمبلیوں میں بہت تھوڑے ہی سہی لیکن ان تھوڑے لوگوں نے 1973 کے دستور کو نافذ کرنے اور اسے تیار کرنے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے۔یہ دستور پاکستان ایک نعمت ہے اگر اس پر عمل درآمد ہو۔اس کے اندر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے، قرآن وسنت کے تحت پاکستان کی قانون سازی ہوگی یہ دستور کے اندر لکھا گیا ہے۔اس وقت اسمبلی میں ہمارے صرف 4 افراد تھے جن میں ڈاکٹر نذیر احمد بھی تھے جنہیں شہید کر دیا گیا۔باقی تین پروفیسر غفور احمدؒ، محمود اعظم فاروقیؒ اور صاحبزادہ صفی اللہؒ تھے۔پروفیسر غفور احمدؒ نے اس دستور کو بنانے میں اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ اس وقت کے سب رہنماؤں نے سراہا۔آپ حیران ہونگے کہ بھٹو صاحب جیسا سیکولر آدمی جو اس ملک کو سیکولر سوشلسٹ ریاست بنانا چاہتا تھا نے بھی اس دستور کو تسلیم کیا حالانکہ اس کے پاس اکثریت تھی اپوزیشن کے پاس زیادہ افراد نہیں تھے۔لیکن یہ ان کی ذہانت تھی ان کی دانش تھی اور ان کی مسلسل محنت تھی جس کے نتیجے میں انہوں نے یہ چیزیں منوا لیں۔اس لئے میں سمجھتا ہوں اسمبلیوں میں جانا ہمارا نہ جانے سے بہتر ہے۔دوسری بات اسمبلیوں کے اندر جو ہمارے لوگ گئے ہیں ان پر کرپشن اور بد دیانتی کا کوئی الزام نہیں لگا اگر یہ کامیابی نہیں تو پھر اس کو اور کونسا نام دیں گے۔الیکشن صرف اقتدار میں آنے کیلئے ہی نہیں بلکہ اس عمل کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک دین کی دعوت پہنچانا بھی ہمارا مقصود ہے۔اصل ہدف دین کی دعوت اور غلبہ اسلام ہے۔۔۔۔

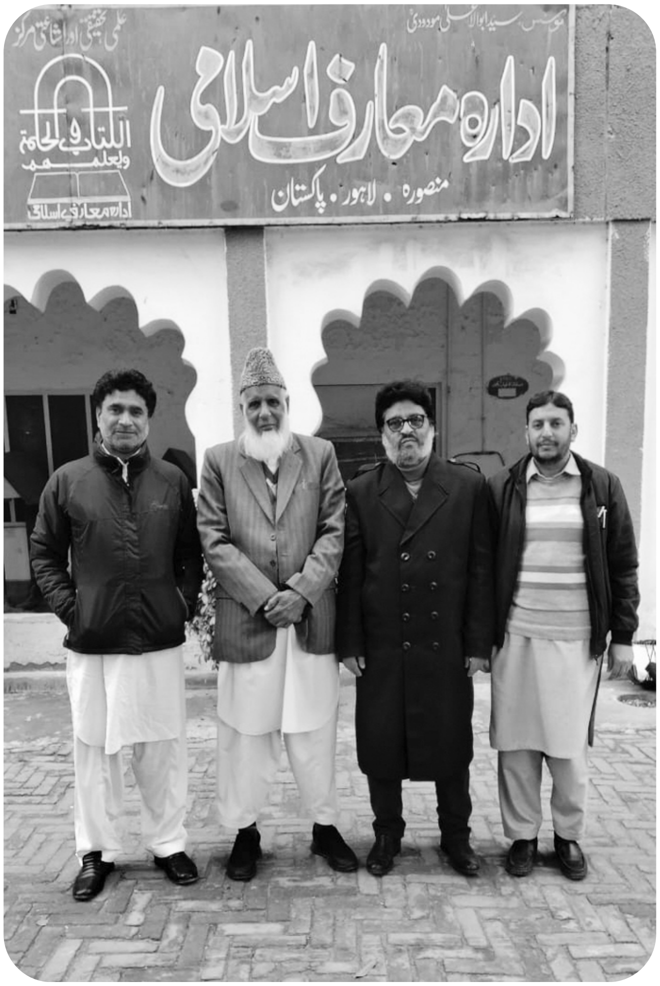

سوال: کئی نامی گرامی ہستیاں جماعت اسلامی میں آئیں اور رہیں اور کچھ الگ بھی ہوگئیں جن میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا وحید الدین خانؒ، ڈاکٹر اسرارؒ اور جناب عبدالغفار حسنؒ شامل ہیں۔الگ ہونے والے بزرگوں کا پھر سید اور جماعت کے ساتھ کیسا رویہ رہا۔؟

جواب: جو لوگ جماعت سے الگ ہوئے تھے ان میں تدبر القرآن کے مصنف مولانا امین احسن اصلاحیؒ بڑی شخصیت تھے لیکن ان کے علیحدہ ہو جانے کے بعد بھی سید مودودیؒ اور ہمارے دیگر رہنماؤں اور اکابرین کے ان کے ساتھ گہرے تعلقات رہے حتیٰ کہ ان کی وصیت کے مطابق ان کا نماز جنازہ قاضی حسین احمد رحمہ اللہ نے پڑھایا۔دیگر بزرگان عبدالغفار حسنؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ، اور ڈاکٹر اسرار صاحب کے نکلنے کے بعد مولانا نے ان کے خلاف کوئی منفی بات نہیں کی اور نہ ہی ان اصحاب نے کبھی سیدؒ کی کردار کشی کی۔جماعت اسلامی سے تو نکل گئے لیکن باہر نکل کر جماعت اسلامی کے خلاف کوئی محاذ نہیں بنایا۔ڈاکٹر اسرارؒ نے تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی، ان کے کافی تعداد میں تقاریر وائیرل ہوئیں اور مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔وہ بھی دین کو دین کی شکل میں ہی پیش کرتے رہے۔ہاں جہاں تک مولانا وحید الدین خانؒ کا تعلق ہے ان کا مائینڈ سیٹ مکمل تبدیل ہو چکا تھا۔کشمیر کی جدوجہد کی حمایت کبھی نہیں کی۔بھارتی حکومت کی مکمل حمایت کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ بھارت نے ان کو ملک کا سب سے بڑا ایوارڈ بھی دیا۔میری ذاتی رائے ہے کہ وہ بیک وقت عالم، مصنف اور مفکر تھے لیکن بدقسمتی سے وہ پٹڑی سے اتر گئے تھے۔اختلاف کرنا بری بات

نہیں ہے لیکن اختلاف کے بعد مرحوم نے جو راستہ اختیار کیا وہ امت مسلمہ کے حق میں زہر قاتل تھا۔ بہر کیف االلہ ان کی مغفرت فرمائے۔مولانا سید ابوالحسن ندویؒ۔۔۔۔کچھ عرصے کیلئے جماعت میں آئے تھے۔۔۔لیکن وہ جماعت کی قیادت میں شامل نہیں تھے۔البتہ ان کے خیالات بہت اچھے ہیں۔کتابیں بہت اعلیٰ اور زبردست علمی و تحقیقی بنیادوں پر لکھی گئی ہیں۔جو علم وادب کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔۔ان کی فکر مولانا مودودیؒ سے مطابقت رکھتی ہے۔ امت مسلمہ کے مسائل پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے، بالکل سید مودودیؒ کی طرح ہی مسائل اور ان کے حل کی نشاندہی کی ہے۔پھر عرب دنیا کے اندر ان کا آنا جانا بھی تھا۔وہاں ان کا بڑا مقام بھی تھا۔عرب دنیا میں انہوں نے مولاناؒ کے بارے میں ہمیشہ اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے۔مولانا کے بارے میں انہوں نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کی۔بعض معاملات میں ان کا مولانا سے اختلاف رہا لیکن انہوں نے مولانا کی شخصیت کو کبھی مجروح نہیں کیا، بلکہ اپنی کتاب سینوں کے داغ" میں اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں یہ الفاظ بھی تحریر فرمائے کہ مولانا مودودیؒ امام امت ہیں اور وقت آئیگا امت اسے تسلیم کرے گی۔ مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے عزت واحترام کے ساتھ ہمیشہ کھل کے اپنی رائے کا اظہار کیا لیکن مولانا پر کبھی کیچڑ نہیں اچھالا۔۔۔

سوال: حافظ صاحب! سید مودودی رحمہ اللہ کے دور کی بات واقعی الگ ہے لیکن بعد میں دعوت دین اور غلبہ اسلام کیلئے نظریاتی کارکن کی ایک کھیپ تیار کرنے کے بجائے، نعرہ بازوں اور مروجہ سیاسی انداز فکر رکھنے والے افراد کا ہی غلبہ نظر

آرہا ہے۔اس کی وجہ ہو سکتی ہے؟

جواب: تحریکیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سابقون الاولون کے معیار پر سو فیصد تو نہیں اترتیں۔سابقون الاولون کا معیار اور بعد میں شامل ہونے والوں کا معیار ایک نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام کو ہی دیکھ لیجئے جو شروع کے لوگ تھے اور جو بعد میں تھے۔۔ایسا ہی جماعتوں کے اندر بھی ہوتا ہے لیکن الحمدللہ ہمارا اب بھی ایک مضبوط تربیتی نظام ہے۔اس وقت بھی آپ دیکھ لیں۔مختلف اطراف سے آئے ہوئے لوگ یہاں تربیت گاہ

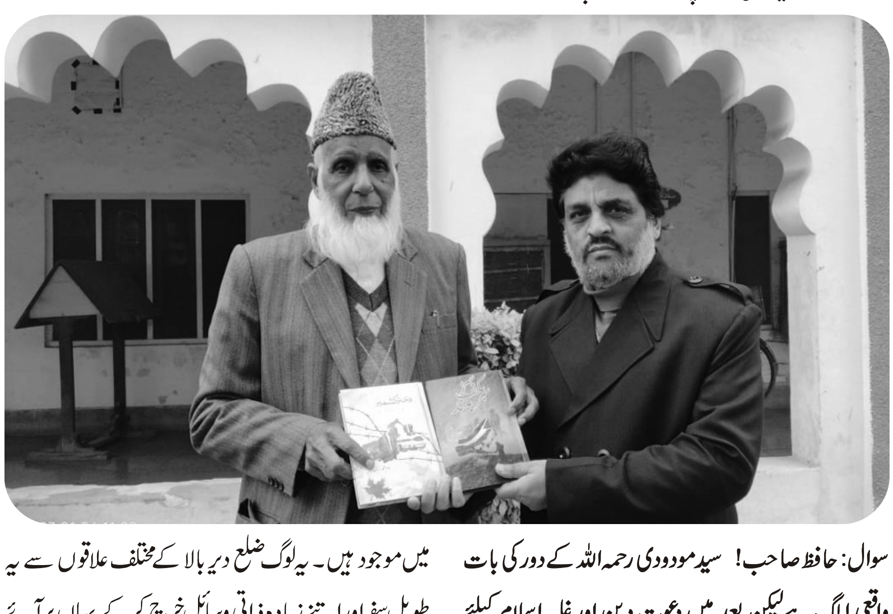

میں موجود ہیں۔ یہ لوگ ضلع دیر بالا کے مختلف علاقوں سے یہ طویل سفر اور اتنے زیادہ ذاتی وسائل خرچ کر کے یہاں پر آئے ہیں۔ درس و تدریس، خطابات، مذاکرے، مطالعہ کتب جیسے پروگرامات میں شامل ہو رہے ہیں۔۔ ہمارا تربیت کا نظام الحمدللہ برقرار ہے اور لٹریچر کا نظام بھی intact ہے۔رکنیت کے لئے جو مرکز کی طرف سے معیار مقرر کیا گیا ہے اس پر بھی کسی حد تک عمل درآمد ہوتا ہے، ارکان کیلئے سٹڈی سرکلز قائم کئے گئے ہیں، باقاعدہ ایک نصاب مقرر کیا گیا ہے۔خامیاں ہوسکتی ہیں۔۔۔اور ہیں۔۔۔ کمزوریاں ہیں اس کا انکار کرنا درست نہیں لیکن ہم اس راستے کو بالکل بھول گئے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں۔ افراط و تفریط۔۔۔ دونوں میں نہیں جانا چاہیے۔۔معیار کو جتنا اونچا ہونا چاہیے اگرچہ اتنا نہیں ہے۔۔۔لیکن ایسا بھی نہیں کہ ہم نے اس راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ یا کوئی اور سوچ اختیار کر لی ہے۔

سوال: آپ سید مودودیؒ کی زیر قیادت جماعت اسلامی اور آج کی جماعت اسلامی میں کوئی فرق محسوس کر رہے ہیں۔انہوں نے تو ہیرے تراشے تھے!!!اور ہم نے۔۔۔؟؟

جواب: ہمارے مرشد مولانا مودودیؒ کے اردگرد جو لوگ تھے وہ سارے کے سارے قیمتی ہیرے تھے جن کا آپ نے نام لیا، میاں طفیلؒ تھے، نعیم صدیقیؒ تھے، اسد گیلانیؒ، چوہدری غلام جیلانیؒ تھے، ماہر القادریؒ تھے۔مولانا خلیل حامدیؒ، اور خرم مراد تھےؒ۔ پروفیسر خورشید صاحب ہیں اللہ ان کو زندگی دے۔صحت کے ساتھ رکھے۔ان لوگوں جیسے لوگ اب ہمارے درمیان نہیں۔اس کا مجھے بھی شدت سے احساس ہے۔لیکن ہماری ہر

لحہ یہ کوشش رہی ہے کہ نوجوانوں کو تیار کیا جائے۔ ادارہ معارف اسلامی کا وجود میں میں آنا اسی کوشش کا ایک اظہار ہے۔اس ادارے کے اہتمام سے ہم مختلف کلاسز اور تربیت گاہوں کا اہتمام کرتے ہیں جس میں لکھنے پڑھنے کے حوالے سے نوجوانوں کو تیار کیا جاتا ہے، کئی برسوں سے ہم یہاں ایک سہ ماہی تربیتی پروگرام بھی منعقد کرتے ہیں جس میں پڑھے لکھے جوانوں کو تحقیق اور تحقیقاتی علمی کاوشوں کی تیاری کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔اسلامی جمعیت طلبہ، جمعیت طلبہ عربیہ اور دیگر جو دینی مدارس ہیں ان کے اندر بھی بچوں کو علمی و نظریاتی بنیادوں پر حقائق سمجھنے اور سمجھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔خلاء تو ہے اس میں کوئی شک نہیں بہرحال کوشش ہماری جاری ہے۔

سوال: حافظ صاحب آپ نے سیدؒ کی قیادت میں کام کیا ہے۔انہیں بہت نزدیک سے دیکھا ہے۔فرعونی و طاغوتی قوتوں سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ان کی شخصیت کا قارئین کشمیرالیوم کیلئے مختصر اور جامع تعارف کرائیں۔

جواب: سید مودودیؒ کے زیرِ سایہ کچھ مدت تک کام کرنے کو اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھتا ہوں۔ بلا شبہ وہ عظیم انسان تھے۔ان کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔مرشد مرحوم کے کارنامے ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور جامع ہیں۔آپ کا اصل کام فکری رہنمائی اور قلم وقرطاس کا صحیح استعمال ہے۔انؒ کی تمام تصانیف، موثر، دل ودماغ کو اپیل کرنے والی اور ایک مخلص داعی حق کا دردِ دل لیے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں نے بلاشبہ لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو تبدیل کیا ہے۔ ہر علاقے اور ہر زبان سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم ان کی تحریریں پڑھ کر اسلام سے روشناس ہوئے۔اسی طرح ان کی کتب کے مطالعے کی بدولت خود بے شمار مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا۔۔۔شجر ہائے سایہ دار تھے۔ملت اسلامیہ کا عظیم ترین سرمایہ تھے۔ ان کی پوری زندگی سراپا جہاد تھی۔ باطل کے ایوانوں میں ان کی فکر نے ہمیشہ زلزلے برپا کیے۔قادیانی فتنہ ہو یا عیسائی مشنری یلغار، فتنہ انکارِ حدیث ہو یا سیکولر نظریات کا طوفان، ہر ایک کے سامنے انہوں نے بند باندھ دیے۔وہ 1979 میں ہمیں داغِ مفارقت دے گئے مگر ان کی حسین یادیں مجھ سمیت اب بھی دنیا بھر میں ان کے مداحوں کے دلوں میں رچی بسی ہیں۔

حافظ صاحب کشمیرالیوم کے لیے کوئی پیغام۔۔؟

کشمیرالیوم باقاعدگی کے ساتھ نکل رہا ہے اور مجھے مل بھی رہا ہے الحمدللہ۔اس کے مضامین میں دیکھتا ہوں اچھا دعوتی مواد اس میں ہوتا ہے۔میں اس میں لکھنے والوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔اس کے قارئین کے لیے میرا یہی پیغام ہے اس کو پڑھا کریں اور اس کے بعد اس کو آگے بڑھائیں۔اس کی سرکولیشن میں اضافہ کرنے کے کوشش کریں۔ جو لوگ اس کو چلا رہے ہیں ان کو بھی دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔موجودہ حالات میں جہاں سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کی دنیا نے کتاب اور رسائل و جرائد کی اہمیت کو کافی حد تک غیر موزون کر دیا ہے۔ان حالات میں بھی کشمیرالیوم کا ادارہ اپنا چراغ جلا رہا ہے اور بڑی پامردی سے جلا رہا ہے، اس پر ادارہ بہت ہی خراج تحسین کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمت دے۔

☆☆☆

(بقیہ: نہ سمجھو ہم نے بھلا دیا صفحہ نمبر:23)

خورشید 1964 میں آزاد کشمیر کی صدارت سے مستعفی ہوگئے۔تحریک پاکستان کے آخری چار سال تک قائداعظم کے ساتھ رہنے والے خورشید بڑے خود دار اور Self composed شخصیت تھے۔انہوں نے کبھی بڑھ ہانکی نہ بڑے بڑے دعوے کیے۔آزاد کشمیر کی صدارت کے دوران خورشید حسن نے امانت و دیانت کا ایک اعلیٰ اور منفرد معیار قائم کر کے دکھایا۔سرکاری اخراجات کو بڑی حد تک محدود کر دیا تھا۔اپنے دفتر کے ملازمین کی تعداد نصف کر دی۔صدر کے ساتھ کام کرنے والا اسٹاف بھی بہت کم کر دیا تھا۔ایک دفعہ ان کی اہلیہ نے اپنی پانچ سالہ بیٹی کو سرکاری گاڑی میں سکول بھیجوا دیا۔خورشید حسن سخت ناراض ہوئے اور آئندہ ایسا کرنے سے منع کر دیا۔انہوں نے ساری عمر اپنے بیٹوں کو سیاست سے دور رکھا، یہاں تک کہ انہیں بہت کم سرکاری فنکشنز میں لے کر جایا کرتے۔ان کا چھوٹا بیٹا خرم راولپنڈی میں لیکچرار تھا، جب کہ فیملی لاہور میں تھی۔ بیگم خورشید نے بیٹے کی ٹرانسفر لاہور کروانے کے لیے سفارش کی تو جواب ملا میں اپنی سرکاری حیثیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں لینا چاہتا۔خورشید حسن اپنے بچوں سے بہت پیار کرنے والے شفیق باپ تھے۔خوش مزاج، خوش طبع اور خوش پوش انسان تھے۔جمہوریت کی پرستش کرنے والے تھے۔قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری رہنے کی وجہ سے وہ بے شمار مقتدر شخصیات کو جاننے اور ملنے والے تھے مگر انہوں نے کسی کے آگے مدد چاہنے کے لیے دست سوال نہیں بڑھایا، عزت نفس اور وقار سے جیئے۔جس دن آزاد کشمیر کی صدارت سے مستعفی ہوئے تو صرف وہی رات وہ سرکاری گھر میں رکے دوسرے دن وہ خود کراچی چلے گئے اور ان کی اہلیہ بچوں سمیت سیالکوٹ اپنے والدین کے ہاں جا ٹھہریں۔حالانکہ وہ تین ماہ تک اس رہائش گاہ میں رہ سکتے تھے۔خورشید حسن ساری عمر اپنا گھر نہ بنا سکے، وہ کرائے کے گھروں میں رہتے رہے۔امانت و دیانت داری کی زندگی گزارنا اتنا آسان نہیں۔ چونکہ ان کی تربیت قائداعظم کے ہاتھوں ہوئی تھی لہٰذا انہوں نے اپنے قائد کے اصولوں کو اپنا کر دلی راحت بھی پائی اور دنیا والوں سے عزت بھی۔خورشید حسن خورشید کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات واسباب کا بغور جائزہ لیا جائے تو یقین آتا ہے کہ جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے کام لینا ہوتا ہے وہ خود انہیں منتخب کرتا اور انہیں مختلف وسیلوں کی سان پر چڑھا کر نکھار لیتا ہے۔ بقول علامہ اقبال

مِری مشاطگی کی کیا ضرورت حُسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حِنا بندی

خورشید حسن خورشید 11 مارچ 1988 کو مظفر آباد سے ویگن میں لاہور آ رہے تھے کہ ویگن حادثے کا شکار ہوگئی جس میں خورشید صاحب شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں اپنے مقرب و ابرار لوگوں میں شمار فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے آمین۔

☆☆☆

شہداء کا اجتماع

عادل ترابی

میری 45 سالہ زندگی کا حاصل یہ ہے کہ میں ایک ایسی ''تحریک'' سے وابستہ ہوں جو لاکھوں شہداء کی وارث اور امین ہے۔ جس کا مقصد اور نصب العین دینِ الٰہی کا قیام اور اللہ کی رضا کا حصول ہے۔ جو شخص جس حیثیت میں بھی اس مقدس مقصد اور نصب العین کے ساتھ جُڑا اور کھڑا ہے وہ یقیناً خوش بخت، سعادت مند اور قابلِ رشک ہے۔ اور یہ اجتماعیت تمام تر بشری کمزوریوں کے باوجود میرا کل اثاثہ ہے۔ مجھے بس اپنی نیّت اور اخلاص کو اشکال و ابہام کے موذی مرض سے محفوظ رکھنا ہے۔ باقی میری کوئی ذمہ داری، کوئی پریشانی اور کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے! نیّت کی یہ درستگی، اخلاص کی یہ موجودگی اور پھر ہمہ جہت سعی کے لئے ہر لمحہ بے چینی اور فکرمندی۔۔۔ اگر میں اور آپ سب ان مطلوب اوصاف کے مالک بن جائیں تو آج بھی نمرود مودی کی وادی میں دہکائی ہوئی آگ ٹھنڈی ہوسکتی ہے۔ آج بھی بھارت کا فرعونی غرور دریائے جہلم کے گہرے پانیوں میں دفن ہوسکتا ہے اور آج بھی کشمیر پر چڑھائی کرنے والے کیل کانٹے سے لدے ہوئے بھارتی ابرہہ کے لشکر ''کعصف ماکول'' جیسے عبرت ناک انجام سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ پھر کہتا ہوں کہ مجھے اور آپ سبھوں کو ایمان، اخلاص، عمل، توکل اور تعلقِ باللہ جیسی بنیادی شرائط کو پورا کرنا ہے تو میں آپ سبھوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ان شاءاللہ سارے مخالف موسم اور ہوائیں، سارے طوفان اور آندھیاں اور سارے خاکے اور رنگ ہماری مرضی اور چاہت کا روپ دھارلیں گے۔ میں اپنے تمہیدی الفاظ میں ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر ڈر رہا ہوں کہ کہیں میری یہ تمہیدی طوالت آپ کو ''اجتماعِ شہداء'' کی رُوداد پڑھنے سے دُور رہنے کا سبب نہ بن جائے۔

معزز قارئینِ کرام

آج کے اس اجتماع کی ہر بات اور ہر انداز بالکل ہی منفرد اور نرالا ہے۔ یہ انوکھا، عجیب اور تصوّراتی اجتماع عرشِ الٰہی کے سائے تلے منعقد ہورہا ہے! شرکائے اجتماع صرف اور صرف شہداء ہیں۔ اجتماع میں شرکت کا پروٹوکول اتنا زبردست اور سخت ہے کہ مجھے اپنی خیالی شرکت کو بھی یقینی بنانے کے لئے پہلے ''یکسوئی'' کی کسوٹی سے گزرنا پڑا تب جاکر مجھے شہداء کے اس خاص اجتماع میں شرکت کی اجازت مل گئی ہے۔ بس اب آپ ہمہ تن گوش رہیے میں آپ کو اس ''اجتماعِ شہداء'' کی لائیو رُوداد بشکلِ تحریر میں پیش کرنے کی کوشش اور سعادت حاصل کروں گا۔ انشاءاللہ

میرا احساس اور اندازہ تھا کہ اس اجتماع کا آغاز بھی تلاوت سے ہوگا، پھر درس اور کوئی صدارتی اختتامی خطاب ہوگا مگر اس اجتماع کی ترتیب اور ہیّت بالکل ہی مختلف ہے۔ اللہ کے عرش سے لٹکے ہوئے نورانی فانوس اور اُن کی چھنکار عجیب وغریب بلکہ ناقابلِ بیان سماں پیدا کرچکے ہیں اور اِس عرشی ونورانی سوز وساز میں حدِ نگاہ تک شہداء سبز پرندوں کی صورت میں اُڑ پھر رہے ہیں اور کچھ تو ان گھونسلا نما نورانی فانوسوں پر بیٹھے ہوئے آپس میں گپ شپ بھی کررہے ہیں۔ جنتی نورانی سبز پرندوں کا روپ پاکر ان شہداء کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہر جانب پُرسکون روشنی بکھیر رہے ہیں اور یہ سبھی مطمئن اور ہشاش وبشاش چہرے ستاروں کی طرح ایسے چمک اور دھمک رہے ہیں کہ میرے لئے اُن کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا مشکل اور محال ہورہا ہے۔ کُھلے تازہ زخموں اور بہتے لہو سے ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے ابھی ابھی یہ سارے کے سارے ''شہادت کا جام'' پی کر یہاں پہنچے ہوں، ہر سو کستوری اور یاقوتی خوشبوؤں کے ایسے ڈھیرے کہ بیچاری جنت بھی سوالیہ نگاہوں سے ان سب کے مقام ومرتبے کو جاننے کے لئے جیسے بے تاب اور متجسس ہے۔ اونچی اونچی مسندیں، گاؤ تکیے، نوعمر خدمت گار غلمان، حور و خیام، شرابِ طہور سے آغازِ میزبانی، ہیروں، موتیوں اور یاقوت سے لدے بھرے کناروں اور تہوں میں بچھی ہوئی سونے اور زمردی کنکریوں پر دودھ، شہد اور پانی کی بہتی نہروں اور جھرنوں کا ایسا سوز کہ جس پر سارے سُر اور سکوت قربان!

اس اجتماع کے سارے شہداء اپنے رب کی رحمتوں اور کامیابیوں کو ایسے سمیٹے ہوئے ہیں کہ ''فوز وفلاح'' کے اس یکتا ودلکش منظر کو اپنے انتہائی عروج پر دیکھ کر میں دنیا کی ساری کامیابیوں اور خوشیوں کو بالکل ایک ''مذاق'' کی طرح تسلیم کرنے پر مجبور ہوں اور اب میں خود سے بھی آنکھیں نہیں ملا پارہا ہوں کیونکہ میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ میرے جہادی اور شہادتی وجود کو خواہشاتِ نفس کے بھاری بھرکم اور خوفناک اژدھے نے ایسا گھیرا ہے کہ مجھے اب جہاد، شہادت اور جنت کے بجائے مال ودولت، تاج وتخت، نوکر وچاکر، کوٹھی و بنگلہ اور دیگر عیش وآرام ہی اپنا مقصد اور نصب العین لگتے ہیں

میرا احساس اور اندازہ تھا کہ اس اجتماع کا آغاز بھی تلاوت سے ہوگا، پھر درس اور کوئی صدارتی اختتامی خطاب ہوگا مگر اس اجتماع کی ترتیب اور ہیّت بالکل ہی مختلف ہے۔ اللہ کے عرش سے لٹکے ہوئے نورانی فانوس اور اُن کی چھنکار عجیب وغریب بلکہ ناقابلِ بیان سماں پیدا کرچکے ہیں اور اِس عرشی ونورانی سوز وساز میں حدِ نگاہ تک شہداء سبز پرندوں کی صورت میں اُڑ پھر رہے ہیں اور کچھ تو ان گھونسلا نما نورانی فانوسوں پر بیٹھے ہوئے آپس میں گپ شپ بھی کررہے ہیں۔ جنتی نورانی سبز پرندوں کا روپ پاکر ان شہداء کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہر جانب پُرسکون روشنی بکھیر رہے ہیں اور یہ سبھی مطمئن اور ہشاش وبشاش چہرے ستاروں کی طرح ایسے چمک اور دھمک رہے ہیں کہ میرے لئے اُن کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا مشکل اور محال ہورہا ہے

اور اسے بھی بڑھ کر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ میں اپنے اس بیہودہ اور معیوب ایمانی زوال کو عقل کی پختگی اور شعور کی کوہان سمجھنے اور سمجھے جانے پر بضد ہوں! بہرحال جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شہداء کے ان پُرنور چہروں کو بھرپور انداز سے دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہو رہی! اور اِس کیفیت سے مجھے اب ایک اور مشکل یہ پیش آ رہی کہ میں ان ہم شکل، ہم انعام اور ہم ماحول شہداء میں سے کوشش اور چاہت کے باوجود بھی جموں وکشمیر کے شہداء کو بھی پہچان نہیں پا رہا ہوں! ہر زاویے اور عنوان سے اس ایک جیسے دِکھنے والے ماحول اور کیفیت نے مجھے بے حد پریشان اور مغموم کر دیا کہ مجھے تو اب صرف اپنی تحریک کے شہداء کو بھی دیکھنا اور پہچاننا مشکل بلکہ ناممکن سا لگنے لگا ہے! کاش میں صرف شمس الحق، انعام اللہ خان، غلام رسول ڈار، برہان الدین حجازی، مقبول الٰہی، راہی، انصاری برادران، سید سلمان، حیدر علی، جوہر حیات برہان وانی، عابد حسین میرے بچپن کا ہم جھولی، میرا ہمسایہ، کھیل کود، تعلیم اور جہاد کے میدانوں کا میرا ساتھی، شاکر غزنوی عبدالباسط، شیر خان، حنیف خان، خوبرو سکندرِ اعظم، جعفر صدیقی، بہادر حسین وحید آڑ گامی، مدثر فاضلی، عبدالاحد کولنگامی مسعود تانترے، ''کیسے سب کے نام لے سکوں گا؟ ہم نے تو اِن عظیم شہداء کے مشن اور قربانیوں کو بھلا دیا ہے تو پھر ان سب کے نام کیسے یاد رہ سکتے ہیں۔'' اور خاص کر صرف چند روز قبل ہی ہم سے رخصت ہونے والے میرے بھائی اور دوست ''پیر امتیاز عالم'' کو ہی دیکھ اور مل لیتا تو میری یہ تصوراتی شرکت اپنے معراج پر منتج ہوتی۔ میں اس وقت بس اسی مخمصے اور اُلجھن کا شکار ہوں کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کِیا جائے۔ ذرا رُکیے! وہ دُور اسٹیج پر ایک دراز قد، سُراہی گردن، نیلی آنکھوں، کشادہ چمکتی پیشانی، گداز کالی زلفوں والا، زرق و برق بادشاہی پوشاک میں ملبوس کوئی خاص شخص تمام شہداء سے مخاطب ہونے لگا ہے۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ اتنے وقار و وفا کا پیکر کون ہے کہ جس کو دیکھنے اور سُننے کے لئے تمام شہدا بے تاب اور بے چین ہیں؟

''میں امتیاز عالم ہوں میرا تعلق مقبوضہ جموں وکشمیر سے ہے یہاں میرے ہزاروں بھائی، بہنیں اور بیٹیاں پہلے سے ہی آپ کی مبارک صفوں میں موجود ہیں۔ جوں جوں ''امتیاز'' بھائی کی تقریر آگے بڑھتی رہی، شہداء کے اس کثیر الکثیر مجمعے سے جنت نظیر ارضی جموں وکشمیر سے تعلق رکھنے والے اسٹیج کی طرف ایسے بڑھنے لگے جیسے پروانے شمع کی اور کھنچے چلے آ رہے ہوں وہ سب شہداء وہیں اور میں تصوّر میں بہت دھیان، سنجیدگی بلکہ تشنگی سے ''امتیاز'' بھائی کی گفتگو ایسے سُن رہے تھے کہ جیسے وہ کوئی ''خاص بات'' کرنیوالے ہیں۔ ہم سب کا گمان بالکل درست ثابت ہوا اور اُن کی نہ صرف ''کوئی'' بلکہ ''ہر بات'' ہی ایک نئے انداز اور ایک نئی فکر کے حوالے سے خاص تھی۔ فرمانے لگے کہ میں تین دہائیوں سے ''شہادت'' کا متلاشی اور متمنی رہا مگر مجھے ''انصار'' کے مدینہ میں مسجد سے نکلتے ہوئے سرِ شام شہید کر دیا گیا۔ مجھے اپنے بزدل دشمن کی مکاری اور پُراسراریت پر واقعی تعجب ہے! میں کبھی خواب میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنے خیر خواہوں کی موجودگی میں بھی اجنبیت اور عدمِ تحفظ کا شکار ہونا پڑے گا یہ میرے لئے کسی قیامت سے ہرگز کم نہ تھا! مجھے اپنے مقدس مقصد کی اپنے انداز میں آبیاری کے جرم کی پاداش میں اپنوں کی ناراضگی اور بے رُخی بھی سہنی پڑی یہ میرے لئے سب سے بڑی آزمائش اور انتہائی مشکل امتحان تھا جس سے مجھے گزارا گیا۔ میں آخر پر آپ سبوں کو ''شہادت'' کا عظیم مرتبہ پانے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور پیچھے رہ جانے والوں تک اس پیغام کے پہنچنے کا خواہشمند ہوں کہ ''کاش آپ جان لیتے کہ مجھے میرے رب نے معاف کر دیا ہے اور مجھے ''المکرّمین'' میں شامل فرمایا ہے۔

''بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرّمین''۔

میرے سارے غم، ساری پریشانیاں، ساری حسرتیں، سارے تکلیف، ساری مشکلیں اور ساری صعوبتیں ''ابدی'' راحت اور کامیابی میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ میں اپنی منزلِ مراد کو پا چکا ہوں۔ میں مطمئن ہوں، اپنے رب کیطرف رجوع کر چکا ہوں اور رحمٰن ورحیم کے نیک بندوں میں شامل ہو کر اُسی ربِ کریم کی رحمتوں کے طفیل جنتوں کا مکین بھی ٹھہرا ہوں اور اپنے رب کی ان تمام نعمتوں، رحمتوں اور عطاؤں کے ملنے پر بھی جو غم مجھے یہاں بھی لاحق ہے وہ یہ ہے کہ اس تحریک کے ساتھ ہر طرح کے حالات اور جبر کے باوجود بھی ''وفا'' کا رشتہ ہمیشہ استوار رکھنا، اطاعت کو اپنے اوپر لازم پکڑنا، نظم وضبط پر کبھی کوئی آنچ نہ آنے دینا، بھیڑ کے بجائے ایک ''تحریک'' بن کر اُبھرنا اور اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں بروئے کار لانے میں کبھی کسی لالچ اور خوف کو خاطر میں نہ لانا، ہوشیار رہنا اور یاد رکھنا کہ منافقوں کے سردار مدینے میں ہی سکونت پزیر رہا کرتے ہیں بلکہ وہ پیغمبری قربت کا لبادہ بھی اوڑھے رکھتے ہیں تاکہ مشکوک ہونے کے بجائے محفوظ اور موثر رہ سکیں، خوشی وغمی، عطا ومنع اور قربت و دوری غرض ہر طرح کے حالات میں اپنے مقدس مقصد کی آبیاری کرتے رہنا، موٹر کاروں، بنگلوں، پلاٹوں، پلازوں، فارم ہاؤسوں اور دیگر دنیوی نیچ اور عارضی مفادات پر اس تحریک کو ہمیشہ مقدم رکھنا، ہل کر رہنا اور عصبیت کے تمام بتوں لات ومنات اور ہبل کو کبھی انجانے میں بھی ''نمسکار'' نہ کرنا، اچھا میری شہادت اور قتل کے حوالے سے اس کی اب کوئی شاید خاص اہمیت نہ ہو مگر آپ سبوں کی سلامتی اور تحفظ کے لئے میرے قاتلوں کی پہچان اور گرفتاری میں کوئی سستی یا کوتاہی نہ کرنا ورنہ یہ زہریلا اور پُراسرار سانپ باری باری آپ سبوں کو ڈس لے گا۔ شہداء کے خون کی امانت اور ماؤں بہنوں کے عفت کی حفاظت اب آپ سب کے حوالے'' والسلام علیکم من اتبع الھدیٰ''۔

* مسیح الدجال *

دجال کون؟؟

ڈاکٹر عبدالرؤف

* دجال:۔۔۔احادیث کی نظر سے *

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا کہ یہود عملاً فتنہء دجال کے سرغنے، اس کے پیروکار، اس کے اصل کارندے، حواری، اوراس حد تک سہولت کار ہیں کہ یہود اور فتنہء دجال تقریباً ہم معنی ہو چکے ہیں۔ یہود عیسائیت سے بڑھ کر اسلام کے پرانے دشمن ہیں اور ازل ہی سے اسلام کی بیخ کنی میں مصروف عمل ہیں اور اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی نکتہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ یورپ کی رینائسنس کے بعد عیسائیت نے ان کے وائرل ڈی این اے کو تقویت دینے میں ڈونر بیکٹیریا کا کام کیا ہے۔ اور "الکفر ملت واحدہ" کا مصداق بن کر مسلمانوں کے خلاف یہود کے ہتھیار بن گئے۔ بلا شبہ اسلام پر ایسا پُر فتن دور پہلے تاریخ نے نہیں دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں فتنہ دجال اور دیگر پر فتن ادوار کے حالات اور نشانیوں کے متعلق مستند احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔ صحاح کی کتب میں اس پر پورے پورے ابواب باندھے گئے ہیں۔ یہ احادیث متعدد اصحاب رسول سے مروی ہیں۔ اور سند و متن اور درجات کے اعتبار سے متفرق بھی ہیں۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ دجال اور اس کے فتنے کے سلسلہ میں وارد کچھ احادیث کے متن میں بہت اختلافات ہیں۔ بعض علماء نے ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ چونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے حال نہیں بلکہ مستقبل کے متعلق پیش گوئی کی زبان میں سمجھائی گئی چند حقیقتیں تھی۔ اس لیے اشارات، کنایات، اور تمثیلات سے کام لیا گیا۔ اور ظاہر ہے اس صورت میں صحابہ کرام کے درمیان ان احادیث کے فہم میں تفاوت و فرق کا رونما ہونا عین فطری امر تھا اور بعض روایتوں میں علماء نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ شاید راوی کی غلطی ہو۔ ان احادیث کے متن و مفہوم میں فرق کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دجال اور فتنہ دجال کے معنی اور مفہوم کو زیادہ وسیع کرنا مقصود ہوتا کہ امت کے علماء ہر دور کے فتنوں اور ہر طرح کے دجال کی پہچان کر سکیں۔ اور فتنہ دجال کی ہر چال کو وسیع و عریض انداز میں سمجھ سکیں۔ اور اس کے ان مختلف پہلوؤں کو نظر میں رکھ سکیں۔ جنہیں بہت سارے علماء نے اختیار کیا۔ جن میں جدید علماء شامل ہیں۔ میرے نزدیک بھی یہی آخری رائے زیادہ قرین قیاس ہے۔ احادیث میں ان اختلافی روایات کے پیش نظر علماء کے ہاں دجال کے بارے میں درج ذیل بڑی بڑی آراء پیدا ہوئیں۔

بعض علماء کے نزدیک دجال ایک فرد ہے جو طبعی طور پر کسی ماں باپ کے گھر پیدا ہوگا۔ جس کی خاص شکل و ہیئت ہوگی، انسانوں میں سے ہوگا، بشر ہوگا، قد و قامت رکھتا ہوگا اور مافوق العقل قوتوں اور طاقتوں کا مالک ہوگا اور اکیلا ساری دنیا پر بھاری ہوگا۔ اس کی قوتیں جادو پر بھی مبنی ہوسکتی ہیں۔ اور یہ شخص حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں عام انسانوں کی طرح تلوار یا بھالے سے قتل ہوگا

بعض علماء کے نزدیک دجال ایک فرد ہے جو طبعی طور پر کسی ماں باپ کے گھر پیدا ہوگا۔ جس کی خاص شکل و ہیئت ہوگی، انسانوں میں سے ہوگا، بشر ہوگا، قد و قامت رکھتا ہوگا اور مافوق العقل قوتوں اور طاقتوں کا مالک ہوگا اور اکیلا ساری دنیا پر بھاری ہوگا۔ اس کی قوتیں جادو پر بھی مبنی ہوسکتی ہیں۔ اور یہ شخص حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں عام انسانوں کی طرح تلوار یا بھالے سے قتل ہوگا۔

یہ رائے بعض اصحاب، حضرت عبداللہ بن عباس، قتادہ، اور ابن کثیر رحمھم اللہ کی ہے۔

بعض علماء کے نزدیک دجال اپنے لغوی معانی میں جھوٹ، فریب، اور مکر و چال پر مشتمل اسلام کے خلاف ہر ایک فتنے کا نام ہے۔ دجال کے لفظ کا اطلاق اس کی صفات کے اعتبار سے ہے۔ یہ ایک گروہ بھی ہو سکتا ہے جو اسلام کے خلاف پورے مادی وسائل کے ساتھ حملہ آور ہوگا۔ اس فتنے کے خلاف حق و باطل کی عالمی جنگیں ہوں گی۔ یہ فتنہ بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان کا سبب بنے گا۔ اور اسلام کے خلاف دیگر سب فتنوں سے بڑا ایک فتنہ ہوگا۔ اور اس فتنے کا ایک بڑا سردار اور سرغنہ دجال اکبر ہوگا۔ اور اس فتنے یا اس فتنے کے سرغنے کی بیخ کنی حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کریں گے۔

یہ رائے حضرت علی، حضرات عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ امام ابن تیمیہ، اور متعدد جدید جید علماء کی ہے۔ جس میں امام العثیمین، عبداللہ بن باز، شیخ مانع بن حماد الجہنی، اور علامہ قرضاوی کی ہے۔

تیسری طرح کے لوگ دجال کے ایک فرد ہونے کو محض ایک تمثیل (personification) خیال کرتے ہیں جسے اسلام دراصل اپنے خلاف تمام ممکنہ فتنوں سے مسلمانوں کو اشارتاً آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ کسی علم غیب پر مشتمل پیش گوئیاں نہیں بلکہ ٹھوس انسانی فطری حالات، عہد رسالت سے دوری، شیطان اور اس کے حواریانِ جن وانس کی مسلسل اسلام دشمنی کا ممکنہ نتیجہ ہیں۔ بعض اصحاب رسول، حضرت حذیفہ بن یمان، بعض محدثین، امام غزالی، شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال اور مولانا وحید الدین خان بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ یہ آراء جدید کچھ صاحب نظر علماء کی بھی ہے۔

دور جدید میں فتنہ دجال کی یہ تعبیر بڑے شد و مد کے ساتھ سامنے آئی ہے۔ بعض جدید علماء کے نزدیک دجال کے بطور فرد آنے کے امکانات خاصے کم ہیں۔ ان کے ہاں دجال کی مافوق العقل قوتیں دراصل سائنسی ایجادات ہی کا نتیجہ ہوں گی۔ اور دجال کا دجل دراصل یہود کے مکر و فریب، جھوٹ اور حق پر باطل کی ملمع

کاری ہی ہیں۔

کیمرہ، ہوش ربا ذرائع مواصلات، انٹرنیٹ، بارودی، کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار، برقی مواصلاتی شعاؤں کے کرشمات، بائیو ٹیکنالوجی کے حیران کن کرشمے۔ جس میں سپر ہیومین، کلوننگ، اور جین تھیراپی جیسی جدید سائنسی بوقلمونیوں کے نتائج شامل ہوں گے۔

ابولبابہ منصور، مشہور کتاب "دجال" کے مصنف مولانا محمد عالم کی بھی یہی رائے ہیں۔

اگرچہ دجال کے ایک مجسم فرد واحد ہونے میں علماء میں رائے کا اختلاف ہے۔ بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے۔جس کی بنیاد شیطانی جال اور چال پر ہے۔ یہ دراصل جھوٹ، مکروفریب، تکبر، نخوت، معصیت، مادیت پرستی، دجل، کفر، اور مکروفریب کا راج ہے۔ جوساری دنیا پر اپنے پنجے گاڑ کر حق کو مشکوک کردے گا اور جھوٹ کو دنیا کی نظر میں سچ بنا کر پیش کرے گا۔اس کا ہر عمل اسلام کے الٹ اور پیغمبروں کی تعلیمات کے برعکس ہوگا۔

ان علماء کے برعکس کچھ منکرین حدیث دجال کو محض ایک افسانہ قرار دیتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں۔

حدیث کا عام قاری جب ان روایات کو یکجا کر کہ ایک نظر میں مطالعہ کرتا ہے تو وہ اپنے تخیل میں کسی ایک فرد کی واضح تصویر نہیں بنا سکتا اور پریشان ہوکر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ؛

1۔۔دجال کوئی فرد واحد نہیں بلکہ اسلام سے متصادم چند دجالی صفات کا نام ہے جو کسی ایک فرد کی بجائے کسی گروہ کی بھی ہوسکتی ہیں۔

2۔۔وہ خیال کرتا ہے کہ اگر دجال کسی مجسم انسان کا نام ہے بھی، تو پھر احادیث کی روشنی میں یہ کوئی ایک فرد نہیں بلکہ متعدد زمانوں میں پائے جانے متعدد افراد ہو سکتے ہیں جن کی دجالی صفات مشترک ہوں گی جبکہ جسمانی ساخت مختلف ہوگی۔

3۔۔وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ دجال ایک فتنے کی مجسم تمثیلی تشریح ہے۔اور عقلی طور پر ان صفات کے ساتھ ایک فرد دنیا میں نہیں آ سکتا۔

4۔۔وہ خیال کرتا ہے کہ دجال کی صفات یا تو مادی ترقی کا کرشمہ ہیں یا پھر جادوئی ہیں۔ورنہ اس پر لوگ کیسے ایمان لائیں گے؟

اگرچہ دجال کے ایک مجسم فرد واحد ہونے میں علماء میں رائے کا اختلاف ہے۔ بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے۔جس کی بنیاد شیطانی جال اور چال پر ہے۔ یہ دراصل جھوٹ، مکروفریب، تکبر، نخوت، معصیت، مادیت پرستی، دجل، کفر، اور مکروفریب کا راج ہے۔ جوساری دنیا پر اپنے پنجے گاڑ کر حق کو مشکوک کردے گا اور جھوٹ کو دنیا کی نظر میں سچ بنا کر پیش کرے گا۔اس کا ہر عمل اسلام کے الٹ اور پیغمبروں کی تعلیمات کے برعکس ہوگا

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم ذخیرہ حدیث میں سے ان چند روایات کا ذکر کریں گے جن کے متعلق اوپر گفتگو کی گئی ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ ان کے معانی یا مفہوم، یا روایتِ متن میں فرق یا پھر راوی کا کوئی سہو ہوسکتا ہے۔ان روایات میں سے چند ایک آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

1۔۔دور دجال کے دنوں کی طوالت کے متعلق روایات کے الفاظ میں فرق ہی نہیں بلکہ تضاد ہے۔

ایک روایت یوں ہے۔حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دجال کے دن لمبے ہوں گے، یہاں تک کہ ایک دن ایک برس کے برابر ہوگا۔(صحیح مسلم2937) جبکہ صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت ایسے ہے۔حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس (دجال کے دور) کے دن چھوٹے ہوں گے یہاں تک کہ سال ایک مہینے کے برابر ہوگا، اور دن جیسے ایک تنکے کا جلنا۔

2۔۔اور حضرات انس اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کی احادیث میں ہے کہ وہ* کافر اور کذاب* ہے اور مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔

جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ

حضرات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ *نبی کریم ﷺ نے اس کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا* وہ سرخ رنگ کا تھا، موٹا، گھنگھرالے بال والا، اور دائیں آنکھ کا کانا تھا۔صحیح بخاری(7128)

3۔۔حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ دجال ایک جزیرے میں جکڑا ہوا ہے۔(صحیح مسلم2942)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دجال شام کے سمندر میں ہے یا یمن میں۔

4۔۔جامع ترمذی میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دجال کے باپ کے ہاں تیس برس تک کوئی لڑکا پیدا نہ ہوگا پھر ایک کانا لڑکا بڑے دانت والا پیدا ہوگا۔جبکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ابن صیاد کے بارے میں ہمیشہ ڈرا کرتے تھے کہ کہیں وہ دجال نہ ہو۔اور عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہی دجال ہے، (صحیح البخاری7355 وصحیح مسلم2929)

یاد رہے کہ ابن صیاد مدینہ کا ایک یہودی کاہن جادوگر اور اسلام کا بدترین دشمن تھا۔مگر کسی روایت سے ثابت نہیں کہ وہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔اور نہ ہی اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا تھا۔یہ مدینے کا باشندہ تھا جبکہ ایک روایت میں ہے دجال مدینے میں داخل نہ ہو سکے گا۔

5۔۔ ایک روایت میں ہے کہ دجال بائیں آنکھ (left eye) سے کانا ہوگا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"دجال بائیں آنکھ (left eye) سے کانا، (أعْوَرُ

عَیْنِ الْیُسْرَیٰ) ہوگا اور بہت بالوں والا ہوگا،اس کے ساتھ جنت اور جہنم ہوگی،لیکن اس کی جہنم، دراصل جنت اور اس کی جنت، دراصل جہنم ہوگی"

جبکہ صحیحین ہی کی ایک دوسری مستند روایت کے مطابق دجال دائیں آنکھ(right eye) سے کانا ہوگا۔

حضرات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہ دائیں آنکھ کا کانا ہے،اوراس کی آنکھ گویا پھولے ہوئے انگور کی طرح ہے، یا اندھی ہے بغیر روشنی کے ہے۔(صحیح بخاری 7130،صحیح مسلم169 وکتاب الفتن100)

جبکہ ایک حدیث میں ہے کہ اس کی آنکھ سرے سے مسخ شدہ (ممسوح) ہوگی (جیسے کہ یہاں آنکھ تھی ہی نہیں)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ ممسوح العین یعنی اندھا ہے، ایک آنکھ کا کانا ہے، اوراس کی دونوں آنکھ کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے، جس کو پڑھا لکھا اور جاہل ہر مومن پڑھ لے گا۔(صحیح مسلم2934)(صحیح مسلم2933)(بروایت حضرت انس)

جبکہ دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اندھی آنکھ، مسخ شدہ نہیں بلکہ پھولے ہوئے انگور کی طرح ابھری ہوئی ہے۔ جیسا کہ اوپر حضرات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ جبکہ ایک تیسری حدیث میں ہے اس کی یہ اندھی آنکھ ابھری ہوئی نہیں اور نہ ہی گہری اور اندر گھسی ہوئی ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداود میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اس کی آنکھ اندھی ہوگی، نہ اٹھی ہوئی، نہ اندر گھسی ہوئی۔

6۔۔حضرات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ *نبی کریم ﷺ نے اس کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا* وہ سرخ رنگ کا تھا، موٹا، گھنگھرالے بال والا، اور دائیں آنکھ کا کانا تھا۔ صحیح بخاری(7128)

اس حدیث میں دائیں آنکھ کا ذکر ہے۔ جبکہ حضرت حذیفہ بن یمان کی ایک حدیث جسے ہم اوپر پڑھ آئے ہیں۔ اس میں بائیں آنکھ کے اندھا ہونے کا ذکر ہے۔

7۔۔ایک روایت میں ہے دجال قرب قیامت میں آئے گا۔

جبکہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے دجال کو اتنا بڑا آدمی دیکھا کہ ویسا کبھی نہ دیکھا تھا،(صحیح مسلم2942)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی بیان ہوا کہ دجال بہت بڑے قد و قامت کا مالک ہے۔ اتنا کہ صحابہ نے اس سے پہلے اتنی قد و قامت کا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

جبکہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دجال چھوٹے قد کا والا ٹھگنا ہے، اس کے دونوں پاوں میں فاصلہ بہت ہے۔

جبکہ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے گدھے(سواری) کے دونوں کانوں کی بیچ میں ستر ہاتھ کا فاصلہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کا گدھا اتنا بڑا ہوگا تو دجال کا اپنا قد بھی یقیناً بہت بڑا ہوگا۔ جبکہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ اس کے بالکل برعکس ہیں۔

ان چند مثالوں کے مطالعے کے بعد اب آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔ دجال یا تو کوئی متعین فرد نہیں۔ یا یہ کئی ایک افراد ہیں، یا یہ تمثیلی اندازِ تکلم ہے۔ جس سے دراصل فتنے کے متعلق اشارات میں بات سمجھانا مقصود ہے۔ یا پھر یہ جادو کا اثر ہے کہ دجال کی ہیت اور ساخت مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ یا ممکن ہے یہ سائنسی ایجادات کا کوئی کرشمہ ہو۔ یا پھر دجال کسی شیطانی گروہ کا نام ہے جو مختلف صفات کا حامل ہے اور احادیث میں اسے مختلف طریقوں سے personify کیا گیا ہے اور مقصد، فرد کہہ کر دراصل فتنے کی صفات بیان کرنا ہے۔

اگر یہ فتنے کی تمثیل ہے تو پھر ہر بات کی مماثلت، فتنے کی کوئی صفت یا خاصیت ہے۔ آگے چل کر آئیندہ کی اقساط میں ہم ان شاء اللہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں اور علماء کی آراء اور دور جدید میں حقائق اور علامات کی روشنی میں دجال کا مزید تجزیہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔۔۔۔

جاری ہے۔۔۔۔۔

☆☆☆

(بقیہ: ام عبداللہ ہاشمی)

تین روٹیاں لگائی باقی آٹا فریج میں رکھنے کے لیے رکھ دیا اور فوراً دودھ گرم کر کے ایک کپ امی کو دیا۔ امی نے کہا گرم ہے ابھی نہیں پیتی پھر امی ہال میں آ گئی مجھے کہنے لگی مجھے دباؤ میں دبانے لگی پھر کہنے لگی ٹارچ دیں میں باتھ روم سے ہوکر آؤں۔ ہال کے ساتھ برآمدہ ہے جس میں ایک سٹپ ہے امی سٹپ سے اتری تو صحن میں گر پڑی۔ سدرہ امی کے ساتھ تھی اس نے آواز دی میں بھاگ کر باہر گئی تو دیکھا کہ امی گری ہوئی ہیں اور سدرہ انہیں تھام رہی ہے سدرہ نے کہا باجی پانی لے کر آئیں میں پانی لے کر آ گئی سدرہ نے ہاتھ کے چلو سے پانی منہ میں ڈالا تو کچھ پانی اندر گیا باقی بہہ گیا گلے سے خرخراہٹ کی آواز دیں آنے لگی ہلکی ہلکی میں نے سدرہ اور ابو نے اٹھا کر امی کو چارپائی پر رکھ دیا پاس ہی چاچو کا گھر تھا انکو آواز دی پڑوسی بھی آئے امی یخ ٹھنڈی ہوگئی ایک دم ساکت۔ پاس ہی ایک ڈسپنسر تھا اس کو بلایا تو اس نے بتایا یہ تو فوت ہوگئی ہیں۔ کچھ دیر میں اور سدرہ ایک دوسرے سے لپٹ کر روتے رہے۔ پھر ہم خاموش ہوگئے باقی سب بہنیں اپنے اپنے گھروں میں تھیں۔ سب کو اطلاع دی۔ امی کو غسل دیا۔ گاؤں کے اردگرد خواتین و مرد آنے لگے۔ میں نے نماز پڑھی اور قرآن کھول کر سورۃ یٰسین تلاوت کی، میری خالہ بھی آ گئی رات گئے سب بہنیں آ گئی صبح گیارہ جنازے کا اعلان کروایا دیا گیا۔ قبر کھودنے کا مرحلہ جب آیا تو ایک جگہ قبر کھودی گئی تو نیچے ایک اور قبر آ گئی۔ سادات نے اپنی قبروں کے اردگرد چار دیواری پھیری ہوئی تھی جہاں وہ صرف اپنے لوگوں کو دفن کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ادھر قبر کھودلیں وہاں مائی صغراء کی قبر تھی مائی صاحبہ کے ساتھ امی کو جگہ ملی۔ پہلے تو میں بے حد پریشان ہوئی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے مگر جب پتہ چلا کہ امی کو مائی صغراء کے پاس جگہ ملی ہے تو دل خوشی سے بھر گیا۔ امی محرم کے دنوں میں فوت ہوئی۔ جمعرات کو دفن ہوئی اور سیدہ صاحبہ کے پہلو میں دفن ہوئی الحمدللہ۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مائی صاحبہ اور میری امی کو قبر کو نور خوشبو روشنی سے بھر دے اور جنت کا ایک باغ بنا دے۔ آمین

☆☆☆

سمعیہ فاطمہ اور میری پیاری امی جان

ام عبداللہ ہاشمی

(گزشتہ سے پیوستہ)

اس کی جگہ نیا اخروٹ کا درخت بالکل صحن میں ہے۔مجھے یاد ہے بچپن میں ہمارے گھر میں سانپ بہت آتے تھے امی اکثر ان کو مارتی تھی اتنی بہادر تھی کہ ایک دفعہ دو سانپ ایک ساتھ لیٹے تھے مگر امی نے دونوں مار دیئے۔امی کا نشانہ پکا تھا۔امی بہت مہمان نواز تھی ،ملنسار خوش اخلاف اس لیے ہمارے گھر مہمان بہت آتے تھے۔ہماری خالہ کے بچوں کا پکنک پوائنٹ ہمارا گھر تھا۔گھر کے پاس ایک قدرتی سوئمنگ پول ہے بلکہ دو تین چار پول ہیں جن میں ہم سب مزے سے سوئمنگ کرتے ،امرود توڑ کر کھاتے ،امی اپنی زمین سے بھٹے انگاروں پر بھون کر دیتی ،صبح تنور کی روٹی مکھن سے ناشتہ۔الحمدللہ بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔امی دیسی مرغے پال رکھتی جب یو کے سے ہمارے ماموں نعمانی ماموں آتے تو ان کے لیے دیسی مرغا پکاتی۔ماموں نے امی کا بے حد خیال رکھا،ہمیں پڑھایا ہر طرح سے ہمارا خیال رکھا۔ماموں کی شکل امی سے ملتی ہے ،امی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بہت اچھی تھی،ہمارے پڑوسی بھی بہت اچھے ہیں،ان میں ایک گھر سادات کا بھی تھا مائی صغراء صاحبہ وہاں رہتی تھی۔ہمارے پڑوس میں قدرتی سومنگ پول کے پاس تھوڑا اوپر ان کا ایک بیٹا ہے جو اللہ لوگ سے ہیں۔اشفاق شاہ میرے ابو کی عمر کے ہیں مائی صاحبہ کے والد کا نام تھا حسین شاہ انہوں نے دو تین شادیاں کر رکھی تھی۔مائی صاحبہ کی شادی ان کے کزن کے ساتھ ہوئی جو کہ کراچی میں ڈیوٹی کرتے تھے۔مائی صاحبہ گاؤں کی کھلی فضاء کی رہنے والی تھی۔شاہ صاحب مائی صاحبہ کو اللہ نے ایک بیٹا جو قدرے اللہ لوک سے ہیں اور ایک بیٹی جو کہ ماشااللہ ٹھیک ہیں مگر مائی صاحبہ کراچی ایڈجسٹ نہ ہو سکی اور ان کی بھی طلاق ہوگئی وہ دونوں بچے لے کر اپنے والد کے گھر آ گئی جہاں ان سے چھوٹی دو نہیں اور ایک بھائی تھے خیر مجھے سادات سے بہت پیار ہے اشفاق شاہ جو کہ اللہ لوک ہیں بزرگ ہیں مجھے کہتے ہیں درود تاج پڑھا کرو۔مائی صاحبہ کے گھر میں ایک آم کا درخت تھا سب بچے ادھر جا کر انہیں بے حد تنگ کرتے مگر ہم کبھی نہیں ادھر گئے شاید ایک دفعہ ان کے گھر گئی لسوڑے کا ایک درخت تھا۔میری ایک کلاس فیلو مجھے اپنے ساتھ لے گئی مائی صاحبہ خود ہی آم اور میٹھی روٹی پکا کر ہمارے گھر بھرا دیتی اللہ ان کی قبر کو جنت کا ایک باغ بنا دے ان کو جنت میں اعلیٰ مقام دے۔ آمین۔ہاں تو میں اپنی پیاری امی کا ذکر کر رہی تھی۔امی بے حد بہادر تھی مگر بہادر سے بہادر لوگوں کی زندگی میں بھی بعض دفعہ ایسے مقام آجاتے ہیں جب وہ قدرے بے بس ہو جاتے ہیں۔زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔بظاہر ہمارا یہ سرسبز پہاڑوں خوش رو پھولوں رس بھرے پھلوں میں گھرا بڑا سا گھر بے حد آرام دہ ہے ضرورت کی ہر چیز ہے اور اللہ کی کون کون سی نعمت ہے جسکو تم جھٹلاؤ گے۔پھلوں کے ان گنت درخت ہیں ،چھاؤں بھرا صحن ایک بیری کا شاید سو سالہ قدیم درخت بلکہ اس کے ساتھ چھوٹے دو تین درخت ہیں جہاں سے دور دور سے بچے پھل اتارنے آتے ہیں۔اس سب کے باوجود ان کی زندگی میں سب سے بڑا دکھ میری پیاری امی کا تھا۔واقعی کہتے ہیں اولاد کا دکھ بہت ظالم ہوتا ہے۔امی بتاتی ہیں کہ بچپن میں میں ایک صحت مند بچی تھی دیگر بہنوں کی نسبت زیادہ بیمار نہیں ہوتی تھی۔پڑھائی میں بھی تیز تھی مگر عین جوانی میں بلکہ شادی کے بعد زیادہ بیمار رہنے لگی۔عبدالرحمان کے ساتھ میں ایک دیڑھ دال رہی عبداللہ 20 مئی 2015 کو پیدا ہوا تو میں بیمار ہوگئی۔مجبوراً امی کو عبداللہ کو جو کہ محض سات دن کا تھا لے کر گاؤں آنا پڑا۔امی کے لیے یہ بہت کڑی آزمائش تھی مگر امی اپنی فطری بہادری سے جھیل رہی تھی۔عبداللہ کو گائے کا دودھ پلاتی اپنے پاس سلاتی قدرت کے فیصلوں میں جو حکمت ہوتی ہے ہم انسان اس سے بے خبر رہتے ہیں۔ظاہری حالات پر واویلا کرتے رہتے ہیں۔عبداللہ رفتہ رفتہ عمر کی منازل طے کرتا گیا۔امی اس کو دیسی انڈا کھلاتی۔سیب ،سوپ پلاتی چھ ماہ کا گل گو۔۔۔سا عبداللہ سب کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ماشااللہ عبداللہ کشمیری حسن رکھتا ہے کسی دیس کا شہزادہ لگتا ہے۔میرا اپنا بیٹا ہے تو شاید اس لیے بہر حال آج میں یہ بات کہنا چاہتی ہوں کہ میرے معاملے میں قصور کسی کا نہیں تھا۔یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی ورنہ نرالی فیملی بہت اچھی نیک اور سادہ منش تھی اور ہے رزق دینے والا اللہ ہے۔عبداللہ کو یہاں ہر چیز وافر مقدار میں ملتی ہے مگر پتہ نہیں کیا بات ہے عبداللہ کھانے پینے کا اتنا شوقین نہیں ہے۔امی تو اکثر اس کے منہ میں نوالے ڈالتی رہتی رات کو دودھ کا ایک کپ ضرور دیتی میری اور امی کی چارپائی ساتھ ساتھ ہوتی تو دیر تک عبداللہ کے ساتھ کھیلتی رہتی۔عبداللہ ماشااللہ اب سات سال کا ہوگیا ہے۔میری حالت اکثر بہت خراب ہو جاتی ان چھ سات سال میں تو چھ ماہ بیمار رہی اور چھ ماہ تندرست تو امی کو سب سے زیادہ میری فکر رہتی۔امی کہتی یہ میرا بے بی ہے۔اکثر میں کھانا تک نہ کھا سکتی اپنے ہاتھوں سے کھلاتی پلاتی نہلاتی۔سردیوں میں رات کو لحاف بھی خود اوڑاتی۔بس امی کی زندگی میں ایک میرا غم تھا میری حالت انہیں بے حد بے چین رکھتی۔مگر وہ صابر و شاکر تھی۔جس شام وہ فوت ہوئی صبح اٹھی نماز پڑھی لمبی دعا مانگی۔میں نماز پڑھ کر دوبارہ سو جاتی امی ناشتہ بنایا دوپہر کا کھانا سدرہ نے بنایا میں نے تندور کے ساتھ روٹیاں لگائیں پھر ہم دونوں بہنیں بھینس کے لیے گھاس کاٹنے چلے گئیں سدرہ گھاس کاٹتی اور میں اٹھا کر گھر لاتی۔نہا کر ہم نے عصر کی نماز پڑھی تو امی کے پاس دوسرے گاؤں سے دو بہنیں سمعیہ کی تعزیت کے لیے آئی ہوئیں تھیں۔عصر کی نماز پڑھ کر میں ان کے ساتھ دیر تک بیٹھی۔سدرہ میری چھوٹی بہن نے سویاں پکائی۔دودھ ڈال کر وہ دونوں چلی گئی میں نے آٹا گوندھا اور سدرہ نے ملکر بھینس کا دودھ دوہا امی کٹی کھول دیتی اور باندھ دیتی تھی اور دودھ کی بالٹی اپنے ہاتھ میں لے کر اندر رکھتی۔سدرہ دودھ دوہتی یہ امی کی عادت تھی جب میں روٹیاں تندور کے ساتھ لگانے لگی تو امی باہر صحن میں چارپائی پر بیٹھی تھی۔کہنے لگی مریم مجھے بہت درد ہو رہا ہے نہ بیٹھا جا رہا ہے نہ لیٹا جا رہا ہے۔میں نے پیناڈال کی گولی پانی کے ساتھ دی۔

(بقیہ صفحہ نمبر 20)

بس۔۔۔۔ایک قدم

بھارت گاندھی جی کے سیکولر ملک سے نکل کر مودی کی قیادت میں ہندو جنونیت کے جنگل کا روپ دھار چکا ہے

کشمیری بخوبی سمجھتے ہیں کہ بھارت کی مذمت سے زیادہ (مرمت) کی ضرورت ہے

کوئی بھی طاقت کشمیریوں کو خونی لکیر کو روندنے سے نہیں روک سکتی

محمد احسان مہر

انسانی زندگی میں شاید ہی ایسا کبھی پہلے ہوا ہو، کہ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں ہو رہی ہوں اور عالمی برادری بے حس و بے ضمیر بنے خاموش تماشائی کی طرح یہ سب دیکھ رہی ہو، اس سے بھی اہم اور تشویش ناک بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کا اہم فریق اور کشمیریوں کا وکیل سات دہائیاں گزرنے کے بعد بھی روایتی طور پر کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر رہا ہے، 5 اگست 2019 کے بھارتی غیر آئینی اقدام کے بعد پاکستان کا کشمیریوں کے ساتھ فقط (زبانی جمع خرچ) کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا حیثیت رکھتا ہے؟ مقبوضہ ریاست جموں و کشمیر کا ایک بڑا حصہ 1947 سے بھارت کے غاصبانہ اور جابرانہ فوجی قبضہ میں ہیں، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اس تنازعہ کے متعلق 18 قراردادیں موجود ہیں، جو بھارت کو کشمیریوں کا حق خودارادیت کا حق دینے کا پابند بناتی ہیں لیکن بھارت نے کشمیریوں کا حق خودارادیت کا حق تسلیم کرنے کے باوجود ریاست کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کر کے ''سیاسی غلطی'' کے ساتھ خطے میں خطرناک انسانی بحران کی بنیاد رکھ دی ہے، اقوام متحدہ اور عالمی برادری کی بھارت کے اس مجرمانہ فعل کے بعد پراسرار خاموشی بھارت کے غرور و تکبر کو مزید بڑھانے کا باعث بن رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ بھارت جنوبی ایشیائی خطے میں اقلیتوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص خطرناک ملک کے طور پر سامنے آیا ہے، اس وقت بھارت گاندھی جی کے سیکولر ملک سے نکل کر مودی کی قیادت میں ہندو جنونیت کے جنگل کا روپ دھار چکا ہے۔

5 فروری یوم یکجہتی کشمیر کے موقعہ پر وزیر اعظم پاکستان اور وزیر اعظم آزاد کشمیر کا مقبوضہ کشمیر کے بھائیوں (جو اس وقت بھارت کی سب سے بڑی جیل میں بند ہیں) سے اظہار یکجہتی اور اقوام متحدہ، عالمی برادری کے سوئے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش بہت اچھی کاوش ہے، لیکن، اب ایسا، زیادہ دیر نہیں چل سکتا، پاکستانی اور کشمیری قوم بجا طور پر سمجھتی ہے کہ اب کشمیریوں کو (دلاسے)

> بھارت نے کشمیریوں کا حق خودارادیت کا حق تسلیم کرنے کے باوجود ریاست کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کر کے ''سیاسی غلطی'' کے ساتھ خطے میں خطرناک انسانی بحران کی بنیاد رکھ دی ہے، اقوام متحدہ اور عالمی برادری کی بھارت کے اس مجرمانہ فعل کے بعد پراسرار خاموشی بھارت کے غرور و تکبر کو مزید بڑھانے کا باعث بن رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ بھارت جنوبی ایشیائی خطے میں اقلیتوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص خطرناک ملک کے طور پر سامنے آیا ہے، اس وقت بھارت گاندھی جی کے سیکولر ملک سے نکل کر مودی کی قیادت میں ہندو جنونیت کے جنگل کا روپ دھار چکا ہے

سے زیادہ عملی اقدامات کی ضرورت ہے، ماضی کی سات دہائیوں کے نشیب و فراز اور تلخ حقائق سے کشمیریوں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور وہ یہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ بھارت کی مذمت سے زیادہ (مرمت) کی ضرورت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مقبوضہ ریاست کے تحفظ، کشمیریوں کی بقاء اور حق خودارادیت کی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے آئینی اور سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات کا بھی بغور جائزہ لیا جائے۔

مقبوضہ ریاست کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کرنے کی وجہ سے بھارت اقوام متحدہ اور عالمی برادری کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت سے کھڑا ہے، اقوام متحدہ اور عالمی برادری نے اگر بھارت کو ڈھیل دے رکھی ہے تو ضروری ہے کہ اس کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لیے کشمیریوں کی ''عملی حمایت'' کے اقدام سے اسے گھٹنوں کے بل بیٹھنے پر مجبور کیا جائے، مسئلہ کشمیر کے پرامن حل اور خطے میں انسانی بحران سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ بھرپور سفارتی اور سیاسی بساط پر اقوام متحدہ اور عالمی برادری پر یہ واضح کر دیا جائے کہ جلد از جلد کشمیریوں کو ان کا تسلیم شدہ حق دلوانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے بصورت دیگر کوئی بھی طاقت (آر، پار) کے کشمیریوں کو سرخ لکیر کو روندنے سے نہیں روک سکتی، اور پھر دیکھتے ہیں کہ بھارت کو دم دبا کر بھاگنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے جنوبی ایشیاء پر تیسری عالمی جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں جسے روکنے کے لیے ضروری ہے کہ اقوام متحدہ، عالمی برادری اور علاقائی طاقتیں فلش پوائنٹ پر موجود اس مسئلہ کو حل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں، اور فریقین بھی اس کی حساس نوعیت کو سمجھتے ہوئے حل کی طرف سنجیدگی سے قدم اٹھائیں۔

☆☆☆

یادرفتگاں۔۔۔کے ایچ خورشیدؒ

خورشید صاحبؒ نے اپنے لیڈر محمد علی جناح کی طرح اپنے نام کے ساتھ کوئی لاحقہ استعمال نہیں کیا

خورشید فرمانبرداری اور ذہانت میں نمایاں اور قابل فخر مزاج کے مالک تھے

وقت کی پابندی اور پروٹوکول میں خورشید، ہو بہو قائداعظم کی طرح تھے

آزادکشمیر کی صدارت کے دوران خورشید حسن نے امانت و دیانت کا ایک اعلیٰ اور منفرد معیار قائم کر کے دکھایا

خورشید حسنؒ ساری عمر اپنا گھر نہ بنا سکے، وہ کرائے کے گھروں میں رہتے رہے

شہزاد منیر احمد

کے ایچ خورشید، 1943 سے لے کر 1947 تک بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے مگر انہیں اپنے لیڈر کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب نہ ہوئی۔ایسا کیوں ہوا۔سری نگر کا 20 سالہ نوجوان خورشید، جو1943 میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ اسسٹنٹ بنے اور1947 تک بے مثال عوامی لیڈر کی قیادت میں پروان چڑھے، آزاد جموں وکشمیر کے پہلے منتخب صدر بنے اور ریاست کا آئین بنانے والے محترم جناب خورشید حسن (خورشید) کیا قابل فخر مسلمان لیڈر تھے، انہیں تاریخ عکس قائد، تصویر قائد کہہ کر یاد کرتی ہے۔خورشید صاحب نے اپنے لیڈر محمد علی جناح کی طرح اپنے نام کے ساتھ کوئی لاحقہ استعمال نہیں کیا۔ یاد رہے کہ محمد علی جناح کو علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ضیاءالدین صاحب نے کئی بار تحریری درخواست کی کہ یونیورسٹی کے بورڈ آف گورنرز اور ایوارڈ کمیٹی کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ (محمد علی جناح) کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے لاء ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی جائے، مگر مسٹر جناح نے یہ درخواست منظور نہ کی۔جواب میں لکھا" میں زندگی بھر صرف محمد علی جناح بن کر رہا ہوں اور میں اس میں کسی طرح کا لاحقہ(Prefix or suffix) پسند نہیں کرتا۔اسی طرح کے ایچ خورشید بھی اپنے نظریہ حیات اور عمل میں جناب خورشید حسن خورشید ساری عمر صرف خورشید ہی کہلواتے تھے۔عادات واطوار میں وہ اپنے لیڈر محمد علی جناح سے بہت مطابقت رکھتے تھے۔معروف صحافی جناب ضیاء شاہد صاحب نے اپنی کتاب میں خورشید صاحب کو" قائد کی تصویر" لکھا ہے خورشید حسن خورشید1924 میں سری نگر، (اب مقبوضہ کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ان کے والد مولوی محمد حسن ایک سکول

ٹیچر تھے۔اس گھر کا ماحول کیسا نفیس اور باوقار ہو گا جہاں بیٹے کی بنیادی تعلیم اور ابتدائی تربیت کے لیے ایک دیندار مولوی باپ پیشے کے اعتبار سے بھی استاد موجود تھا۔وہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خورشید فرمانبرداری اور ذہانت میں نمایاں اور قابل فخر مزاج کے مالک تھے۔

انہوں نے کالج کے زمانے میں ہی کشمیر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔حالانکہ ان کی عمر اس وقت 19 برس کی تھی۔پھر انہوں نے طلباء کے وفد کے ساتھ جالندھر میں جا کر ایک تقریب میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ قائداعظم نے انہیں "پاکستان" کا جھنڈا عطا کیا۔خورشید نے جس عہد، جذبے اور ذمہ داری سے اس جھنڈے کو تھاما، عہد کی پاسبانی کر کے دکھائی اس کی مثال بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔خورشید حسن خورشید نے امر سنگھ کالج سے بی اے کیا۔ ریاضی اور اکنامکس ان کے خاص مضامین تھے۔

قائدِاعظم1943 میں جب تیسرے دورے پر سری نگر پہنچے تو محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ساتھ تھیں۔انہوں نے موٹر بوٹ میں قیام کیا تھا۔خورشید حسن انہیں روزانہ بحیثیت طلباء راہنما اپنا عقیدت بھرا سلام پیش کرنے موٹر بوٹ میں پہنچ جاتے تھے۔

سری نگر میں اورینٹ پریس آف انڈیا مسلمانوں کی واحد ایجنسی تھی۔اسماعیل ساغر سری نگر میں ان کے واحد نمائندہ تھے جو انگریزی زبان پر خاصی دسترس نہیں رکھتے تھے۔قائداعظم کی بیشتر تقاریر انگریزی زبان میں ہوتی تھیں۔ان تقاریر کا اردو ترجمہ کرنے کا کوئی مناسب اور موثر بندوبست نہیں تھا۔اسماعیل ساغر کی وساطت سے خورشید کو اورینٹ پریس آف انڈیا کی سری نگر میں نمائندگی مل گئی اور وہ قائداعظم کی انگریزی تقاریر کا اردو ترجمہ کر کے پریس میں بھجوا دیتے۔۔ یوں خورشید قائد اعظم کے اور بھی قریب ہوتے چلے گئے۔

قائداعظم کے اس وقت کے سیکرٹری" مسٹر لوبو" تھے جو کہ بھی اردو زبان پر کوئی زیادہ عبور نہیں رکھتے تھے۔قائداعظم کو جب اپنے خطوط اُردو میں لکھوانا ہوتے تو خورشید کو بلوا لیا جاتا تھا۔

بعد میں قائداعظم کے کہنے پر خورشید کو روزانہ بلوا لیا جاتا تھا اور خورشید بصد خوشی حاضر ہو جاتے اور جیسا انہیں کام دیا جاتا وہ مکمل کر دیتے۔

جولائی 1944 میں، قائداعظم نے خورشید حسن سے کہا "تم میرے پاس آ جاؤ اور میرے ساتھ کام کرو" خورشید کا دل یہ سن کر ہی بلیوں اچھلنے لگا۔ خورشید والدین کی تربیت اور قائداعظم کی رفاقت میں رہ کر تعلیم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہونے کے باعث بڑی دل جمعی سے پڑھائی بھی کر رہے تھے۔ انہیں علامہ اقبال کا یہ شعر بھی یاد تھا:-

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

سوچ سمجھ کر ادب سے جواب دیا کہ " جناب میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ بی اے کا امتحان دینا ہے۔ مزید یہ کہ والدین سے مشورہ کر کے بتا سکتا ہوں"

انہوں نے والدین سے مشورہ کیا اور یہ سوچتے ہوئے کہ تعلیم بھی جاری رکھی جا سکتی یا پھر بعد میں تعلیم مکمل ہو سکتی ہے لیکن اس عظیم قائد کی صحبت میں کام کرنے کا شاید دوبارہ موقع نہ ملے، بہر کیف، خورشید حسن قائداعظم کے ساتھ کام کرنے لگ گئے۔

پہلے ان کے سیکرٹری "مسٹر لوبو" کے ساتھ خورشید نے کام کیا اور مسٹر لوبو کے چلے جانے کے بعد خورشید حسن صاحب نے قائدِ اعظم کے ساتھ پاکستان بننے تک کام کیا۔ فاطمہ جناح بھی ان کے ساتھ باہر سے آنے والے خطوط کھولتی تھیں اور ان کی مدد کیا کرتی تھیں۔ پاکستان بن گیا تو خورشید بھی قائداعظم کے ساتھ کراچی آ گئے۔ قائداعظم کو کشمیر کی فکر لاحق تھی۔ انہوں نے خورشید صاحب کے کشمیری خاندانی پس منظر اور بھروسے کا آدمی ہونے کے باعث انہیں اکتوبر 1947 میں نیشنل کانفرنس کے لیڈر شیخ عبداللہ کے نام ایک خصوصی خط دے کر سری نگر بھیجا۔ جنہیں کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت نے یہ جان کر کہ وہ قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں گرفتار کر لیا اور تفتیش کرتے رہے کہ وہ کس مقصد کے لیے کشمیر آئے ہیں۔

قائداعظم نے ہندوستان کے وزیراعظم مسٹر نہرو کو بھی خورشید کی رہائی کے بارے خط لکھا تھا مگر انہوں نے بھی کوئی توجہ نہ دی۔۔

انہیں 13 ماہ تک قید تنہائی کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں۔ اسی دوران ان کے محسن قائداعظم 11 ستمبر 1948 کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے، کیا یہ کسی المیہ سے کم ہے کہ چار سال تک قائداعظم کے شانہ بہ شانہ کام کرنے والے پرائیویٹ سیکرٹری خورشید حسن خورشید کو ان کی نماز جنازہ میں شرکت بھی نصیب نہ ہوئی۔

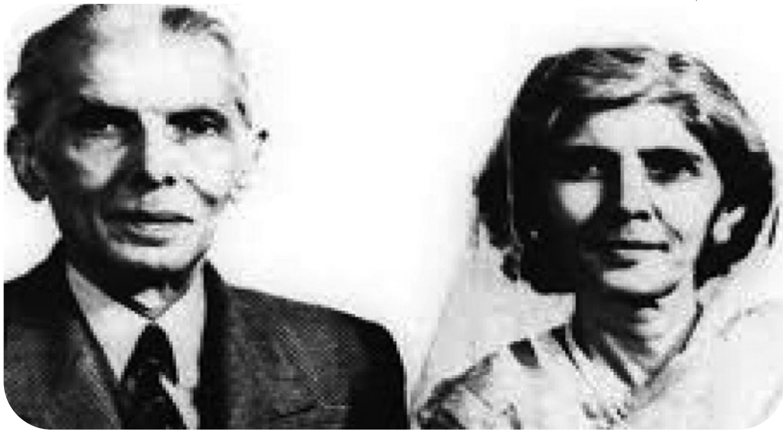

1949 میں قیدیوں کے تبادلے میں خورشید حسن صاحب کے بدلے پاکستان کو ہندوستانی قیدی جنرل گھنسار سنگھ کو رہا کرنا پڑا اور خورشید صاحب پاکستان کو واپس ملے۔ خورشید حسن واپس پاکستان پہنچے تو بڑے دل گرفتہ تھے، قائداعظم فوت ہو چکے تھے۔ سیاست سے دل اُچاٹ ہو چکا تھا۔ فاطمہ جناح نے ان کی ڈھارس بندھائی، حوصلہ دیا اور آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتے چلے گئے۔ ایک دوست سے مل کر" گارڈین " اخبار نکالا تو وہ کئی وجوہات پر بند ہو گیا۔ مادر ملت فاطمہ جناح نے انہیں کراچی بلا بھیجا تو وہ فلیگ ہاؤس میں رہنے لگے۔ فاطمہ جناح کو یاد تھا کہ قائداعظم نے خورشید حسن کے والد کے ساتھ خورشید کو پڑھنے کے لیے لندن بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ مادر ملت نے اپنے بھائی محمد علی جناح کے وعدے کے مطابق خورشید کو اپنے ذاتی خرچے پر لندن اسی درسگاہ میں داخل کروایا جہاں سے قائداعظم محمد علی جناح نے بیرسٹری پاس کی تھی۔ اس درسگاہ کا نام لنکنز ان ہے۔ خورشید بار ایٹ لاء کی ڈگری لے کر 1954 میں واپس پاکستان لوٹے۔ اور وکالت شروع کی۔ 1959 میں جنرل ایوب خان نے خورشید حسن کو آزاد کشمیر کی صدارت کی پیشکش کی۔ وہ یہ آفر قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مادر ملت نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کو یہ عہدہ قبول کر لینا چاہیے۔ ممکن ہے آپ کو کشمیر کے بارے بہتر خدمت انجام دینے کے مواقع میسر آئیں۔ مادر ملت کی ہدایت پر خورشید حسن آزاد کشمیر کے صدر بننے پر راضی ہو گئے۔ انہوں نے آزاد کشمیر میں صدارت کے الیکشن کروائے جو وہ جیت گئے۔ اس لیے انہیں آزاد کشمیر کا پہلا منتخب صدر لکھا جاتا ہے۔

جب فاطمہ جناح نے جنرل ایوب خان کے خلاف الیکشن لڑا تو خورشید مادر ملت کے پولیٹکل ایجنٹ تھے۔ انہوں ان الیکشنز میں بڑی محنت کی۔ فاطمہ جناح مشرقی پاکستان میں جیت گئیں مگر مغربی پاکستان میں ایوب جیت کر صدر مملکت بن گئے۔ ریاستی امور کی انجام دہی، سیاستدانوں اور دیگر سرکاری مہمانوں سے ملنے میں وقت کی پابندی اور پروٹوکول میں خورشید، ہو بہو قائداعظم کی طرح تھے۔ ان میں وہ قائداعظم جیسی وقت کی پابندی، اصول پسندی، دیانت داری سے فیصلے کرنے کے عادی اور عزت نفس کے مالک تھے۔ کام کام اور بس کام ہی ان کا بھی مشن رہا۔ پاکستان کے حکمرانوں کو خورشید حسن کی یہ خودداری، خودگیری، خودمختاری اور امانت و دیانت کا رویہ ہضم نہیں ہوتا تھا۔ وہ خواہ مخواہ کشمیری معاملات میں نامناسب اور بلاوجہ مداخلت کرتے۔۔ کبھی کبھی تو فضول بدمزگی پیدا ہو جاتی۔

(بقیہ صفحہ نمبر 15 پر)

شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ) راولپنڈی / اسلام آباد کے معروف ادیب، شاعر، مصنف اور کالم نگار ہیں، کشمیر الیوم کے لیے مستقل بنیادوں پر بلامعاوضہ لکھتے ہیں

مادری زبان، پس منظر و پیش منظر

انسان کی پہلی زبان ''رونا'' ہے

مادری زبان میں ہی بچے کو ایک نسل اپنا ماضی منتقل کر رہی ہوتی ہے

کیا یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ اقوام عالم کو ان کی مادری یا قومی زبان سے محروم کر دیا جائے

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

زبان وہ ذریعہ ہے جس سے ایک انسان اپنے احساسات ،خیالات اور اپنے جذبات دوسرے انسان تک منتقل کرتا ہے۔زبان انسان کے اندر کی نمائندگی کرتی ہے ،یہ مافی الضمیر کے اظہار کا ایک وقیع ذریعہ ہے۔زبان کے ذریعے انسان اپنی حاجات اور اپنی ضروریات کا بھی اظہار کرتا ہے ۔انسانی معاشروں میں بولی جانی زبانیں انسانی باہمی ربط و تعلق کی ایک اہم بنیاد ہوتی ہیں ۔زبان کے ذریعے جہاں ایک انسان اپنی کیفیات کا اظہار کرتا ہے وہاں دوسرا انسان بھی زبان کے ذریعے سے ہی پہلے کے مافی الضمیر کا دراک کرتا ہے۔کسی انسان کے پاس یہ طاقت نہیں کہ وہ دوسرے انسان کے اندر جھانک کر اسکا انداہ لگا سکے پس یہ زبان ہی ہے جس کے الفاظ انسانوں کو دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں ممدومعاون ثابت ہوتے ہیں۔انسان کی پہلی زبان ''رونا'' ہے۔ماں کے پیٹ سے جنم لے کر وہ سب سے پہلے روتا ہے اور اپنی ضروریات کا رو رو کر اظہار کرتا ہے۔اسی رونے میں اسکی بھوک پوشیدہ ہوتی ہے ،اسی رونے میں اسکی پیاس ہویدا ہوتی ہے،اسی رونے سے وہ اپنی تکلیف اور درد کا احساس دلاتا ہے اور اسی رونے سے ہی وہ سو کر جاگنے کا اعلان کرتا ہے۔اللہ تعالی کی شان ہے کہ اس بچے کی سب سے ابتدائی زبان اسکی ماں ہی سمجھ پاتی ہے حالانکہ رونے کے کوئی الفاظ نہیں ہوتے ،رونے کی کوئی تراکیب نہیں ہوتیں اور رونے کے کوئی اصول و قوائد بھی نہیں ہوتے لیکن پھر بھی یہ ایسی زبان ہے جسے بچے کی ماں آسانی سے سمجھ جاتی ہے ۔بہت تجربہ کار ڈاکٹر اور طبیب بھی بچے کی جس کیفیت کو نہ سمجھ سکے ماں اسکا بخوبی ادراک کر لیتی ہے،حالانکہ ''ماں'' نے ''ماں'' بننے کا کوئی کورس نہیں کیا ہوتا بس ماں کے سینے میں ایک دل ہوتا ہے جو بچے کے رونے کی زبان کو ماں کے جذبات میں ترجمہ کر کے اس تکلیف کی وضاحت کر دیتا ہے۔بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ اسکا سب سے پہلا تعلیمی ادارہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ماں کی گود میں سیکھا ہوا سبق وہ بڑھاپے کی دہلیز پر بھی بھلانا چاہے تو ممکن نہیں ہے۔ماں کی گود کے اثرات بچے کے ذہن پر

ایسے نقش ہو کر پختہ ہو جاتے ہیں جیسے پتھر پر کوئی تحریر کندان کر کے تو ہمیشہ کے لیے امر کر دی جائے۔یہ اولین تعلیمی ادارہ بچے کو جس طرف بھی موڑنا چاہے بچہ اسی طرف ہی مڑتا چلا جاتا ہے۔اسی لیے ہمیشہ یاد رکھے جانے والے سبق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں ماں نے دودھ میں پلایا ہے۔جیسے امریکی بچوں کو اسامہ کا خوف مائیں اپنے دودھ میں پلاتی تھیں اور اسرائیلی ماؤں نے حماس کا خوف یہودی بچوں کو دودھ میں پلایا ہے وغیرہ۔مادری زبان بھی اسی طرح کا بڑھایا ہوا سبق ہوتا ہے۔

ماں کی گود میں بچہ جو زبان سیکھتا ہے وہ ماں کی نسبت سے مادری زبان کہلاتی ہے کیونکہ ''مادر'' فارسی زبان میں ''ماں'' کو کہتے ہیں۔زبان سیکھنا ایک طویل مرحلے کا مرہون منت ہوتا ہے۔کوئی زبان ،اسکے قوائد،اسکی لغت اور اسکے دیگر اسرار و رموز ایک تھکا دینے والا کام ہے لیکن اللہ تعالی کی قدرت ہے کہ بچہ ماں کی گود میں زبان کے ان سب امور پر یوں دسترس حاصل کر لیتا ہے کہ ساری عمر کے لیے وہ نہ صرف اس زبان کا ماہر بن جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو اس زبان کے مصدر تک کی اہمیت حاصل کر لیتا ہے۔خاص طور پر ایسے علاقے جہاں کی زبان خالص ہوتی ہے اور دیگر زبانوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر وہ زبان اپنا آپ گم نہیں کر بیٹھتی تو ایسے علاقوں میں تو مادری زبان کا واحد وقیع و مستند ذریعہ ماں کی گود اور روٹیاں پکانے والے چولھے کے گرد بچوں کا جھمگٹا ہوتا ہے جہاں وہ زبان اپنا تاریخی ارتقائی سفر بڑی عمدگی سے طے کر رہی ہوتی ہے۔مادری زبان صرف بولنے تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ اسکے پس منظر میں اس علاقے کا،اس تہذیب کا،اس ثقافت کا اور انکی روایات کا عظیم اور صدیوں پر محیط ورثہ بھی موجود ہوتا ہے۔زبان دراصل کسی بھی تہذیب کا سب سے بڑا اظہار ہوتی ہے۔مادری زبان میں ہی بچے کو ایک نسل اپنا ماضی منتقل کر رہی ہوتی ہے اور مادری زبان میں ہی ایک نسل اپنے ثقافتی مستقبل کی تعمیر کر رہی ہوتی ہے۔مادری زبان کے محاورے بچے کے مزاج کا پتہ دیتے ہیں ،مادری زبان کی تراکیب انسان کی زبان کے علاقائی پس منظر کا اندزاہ لگانے

میں مدد ومعاون ثابت ہوتی ہیں اور مادری زبان کی شاعری جو ماں بچوں کو سلاتے ہوئے لوری میں سناتی ہے یا روتے ہوئے بچے کو چپ کرانے کے لیے گنگناتی ہے اور بہت ہی چھوٹی عمر میں کھیل تماشوں میں پڑھے جانے والے ٹوٹے پھوٹے اشعار کسی بھی زبان کی وہ بنیادیں ہیں جن پر اسکا شاندار محل تعمیر ہوتا ہے۔

مادری زبان کے معاملے میں کتنی احتیاط برتی جاتی ہے اس کا اندازہ ہمیں سیرت النبی ﷺ کے واقعات سے بخوبی میسر آتا ہے۔ یہ ایک معاشرتی انسانی حقیقت ہے کہ دیہاتوں کی زبان، دیہاتوں کا لہجہ اور دیہاتوں میں استعمال ہونے والے کسی زبان کے محاورے اور تراکیب شہروں کی نسبت بہت عمدہ اور خالص ہوا کرتے ہیں۔ عرب قبائل اپنے بچوں کی زبان کی حفاظت کے لیے انہیں بہت ابتدائی عمر میں ہی دیہاتوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اس طرح بچوں کی مادری زبان میں ہونے والی پرورش انکی زبان کے پس منظر میں انکی روایتی و ثقافتی اقدار کی حفاظت کی ضامن ہوجاتی تھی کیونکہ مادری زبان صرف بولنے تک تو محدود نہیں ہوتی اسکے اثرات انسانی رویوں میں واضح طور پر اثر پزیر رہتے ہیں۔ شاید انہیں مقاصد کی خاطر آپ ﷺ کی پرورش بھی بنواسد کے دیہاتی ماحول میں ہوئی۔ اسی طرح دنیا بھر میں ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دیے جانے کا انتظام ہوتا ہے کیونکہ بچے کے ذہن میں راسخ الفاظ اسکے اور نظام تعلیم کے درمیان ایک آسان فہم اور زود اثر تفہیم کا تعلق پیدا کر دیتے ہیں۔ مادری زبان میں تعلیم سے بچے بہت جلدی نئی باتوں کو سمجھ جاتے ہیں انہیں ہضم کر لیتے ہیں اور پوچھنے پر بہت روانی سے انہیں دھرا کر سنا دیتے ہیں۔ مادری زبان میں دی جانے والی تعلیم بچوں کی تعلیمی صحت پر خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ خوشی خوشی تعلیمی ادارے میں بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور چھٹی کے بعد اگلے دن کا بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ معلم کے لیے بھی بہت آسان ہوتا ہے کہ مادری زبان میں بچوں کو تعلیم دے اسکے لیے اسے اضافی محنت نہیں کرنی پڑتی اور مہینوں کا کام دنوں یا ہفتوں میں مکمل ہوجاتا ہے۔ اور اگر بچوں کو غیر زبان میں تعلیم دی جائے تو وہ اسی قوم کے ذہنی غلام بن جاتے ہیں اور نفسیاتی فرار کے باعث تعلیم میں سختی، زبردستی، رٹے بازی اور ڈنڈے کا استعمال ان میں تعلیمی عدم دلچسپی ان کی عملی و پیشہ ورانہ زندگی میں جہالت کا باعث بن جاتی ہے اگرچہ بڑی بڑی تعلیمی اسناد ہی ان کے ہاتھوں میں موجود ہوں۔

مادری زبان کی تعلیم سے خود زبان کی ترویج واشاعت میں مدد ملتی ہے، زبان کی آبیاری ہوتی ہے، نیا خون داخل ہوتا ہے اور پرانا خون جلتا رہتا ہے جس سے صحت بخش اثرات اس زبان پر مرتب ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرہ ہمیشہ سے ارتقاء پزیر رہا ہے چنانچہ مادری زبان اگر ذریعہ تعلیم ہو تو انسانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس علاقے کی مادری زبان بھی ارتقاء پزیر رہتی ہے، نئے نئے محاورے اور روزمرے متعارف ہوتے ہیں، نیا ادب تخلیق ہوتا ہے، استعمال میں آنے والی چیزوں کے نئے نئے نام اس زبان کا حصہ بنتے رہتے ہیں۔ جس طرح قوموں کے درمیان اور تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان جنگ رہتی ہے اسی طرح زبانوں کے درمیان بھی ہمیشہ سے غیر اعلانیہ جنگ جاری رہی ہے، جو جو زبانیں تعلیم کا ذریعہ بن کر انسانی رویوں میں شامل ہوجائیں وہ اس جنگ میں اپنا وجود باقی رکھتی ہیں بصورت دیگر تاریخ کی کتب اور آثار قدیمہ کے کھنڈرات بے شمار زبانوں کی آخری آرامگاہ کے طور پر اس کرہ ارض پر موجود ہیں۔ وطن عزیز، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بہت سی مادری زبانیں ہیں جنہیں علاقائی زبانیں بھی کہا جاسکتا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت کم علاقوں میں ان زبانوں کی سرپرستی کی جاتی ہے۔ پاکستان کا تعلیمی نظام، عدالتی نظام اور دفتری نظام سب کا سب، دور غلامی کی باقیات، انگریزی زبان میں ہے۔ بعض اوقات تو اس غیر ضروری حد تک انگریزی زبان کو استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر انگریز بھی ہوتے تو شرما جاتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم ابھی آزاد نہیں ہوئے؟ دنیا بھر جہاں بھی کوئی تعلیم حاصل کرنے جائے تو پہلے اسی وہاں کی قومی زبان سکھائی جاتی ہے اور پھر اسی زبان میں اسے تعلیم دی جاتی ہے۔ جبکہ پاکستان کا معاملہ بالکل الٹ ہے۔

چین کے انقلابی راہنما ماؤزے تنگ بہت اچھی انگریزی جانتے تھے لیکن عالمی انگریز راہنماؤں سے بھی جب ملتے تو درمیان میں اپنی زبان کا مترجم بٹھاتے، وہ سب سمجھتے تھے کہ انگریز کیا کہ رہا ہے لیکن مترجم کے ترجمے کے بعد جواب دیتے۔ انگریز کوئی لطیفہ سناتا تو سمجھ چکنے کے باوجود مترجم کے ترجمہ کرنے پر ہی ہنستے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکیوں نے جب جاپان فتح کیا تو شاہ جاپان نے ان سے ایک ہی بات کہی کہ میری قوم سے میری زبان مت چھیننا۔ نشے کی ماری ہوئی چینی قوم اور جنگ میں تباہ حال جاپانی قوم اپنی زبان کی مضبوط بنیادوں کے باعث آج دنیا میں صف اول میں شمار ہوتی ہیں جبکہ انگریز کی تیار کردہ غلامانہ مصنوعی سیکولر قیادت کے مقروض لچھوں نے آج پاکستان کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رکھا ہے۔ قوم پوری شدت سے چاہتی ہے کہ مقابلے کے امتحانات قومی زبان میں منعقد کیے جائیں، ابتدائی تعلیم مادری و علاقائی زبان میں اور ثانوی و اعلی تعلیم قومی زبان میں دی جائے۔ مادری و علاقائی اور قومی زبانوں کے ادباء و شعرا و محققین کو سرکاری سرپرستی دی جائے انکی تخلیقات کو سرکاری سطح پر شائع کیا جائے اور انکے لیے بھی سرکاری خزانے کے دروازے کھولے جائیں، دیگر عالمی زبانوں کی کتب کو تیزی سے قومی و علاقائی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے تا کہ ہماری قوم اندھیروں سے نکل کر وقت کے ساتھ ساتھ دنیا میں اپنا آپ منوا سکے۔ لیکن وطن عزیز کا مقتدر سیکولر طبقہ جو ذہنی غلامی کی بدترین مثال ہے قومی ترقی کی راہ میں بدیسی و غلامانہ زبان کی بیساکھیوں کے باعث سدراہ ہے۔ یہ طبقہ اپنے سیکولر خیالات کو انگریزی تہذیب کے مکروہ لبادے میں ''جدیدیت'' کی ملمع کاری کو قوم میں نفوذ کرنا چاہتا ہے لیکن اب اس طبقے کی الٹی گنتی شروع ہوچکی ہے، انشاء اللہ تعالی۔

کیا یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ اقوام عالم کو ان کی مادری یا قومی زبان سے محروم کر دیا جائے۔ وطن عزیز میں ایک وقت کے اندر کئی کئی زبانیں اپنا وجود رکھتی ہیں جو صریحاً نسل نو پر ناروا بوجھ ہیں۔ ایک بچہ مادری زبان سیکھتا ہے، اسی میں سوچتا ہے، اسی میں خواب بھی

دیکھتا ہے،اسی مادری زبان میں دل اور جذبات کو بھی دخیل کرتا ہے۔جب تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو اسے مسجد بھیج دیا جاتا ہے،یہاں اسے مذہبی زبان،عربی،سے واسطہ پڑتا ہے۔اسے عربی کے حروف تہجی سکھائے جاتے ہیں،ان کا تلفظ ازبر کرایا جاتا ہے،عربی قوائد لسانیات سے جزوی واقفیت کرائی جاتی ہے جس کے باعث وہ قرآن مجید کی قرات و تلاوت اور اپنی مذہبی رسوم و عبادات کی بجا آوری کے قابل ہوجاتا ہے۔اسی دوران اسے گلی محلے کی دکانوں پر ’’چیز‘‘ لیتے ہوئے یا راستہ پوچھتے بتاتے ہوئے یا کسی انکل سے یا مسجد کے کے مولانا صاحب سے یا کسی باجی یا آنٹی سے بات کرنی ہو یا گھر میں آئے مہمانوں سے کوئی سوال جواب یا تعارف کا مرحلہ درپیش ہو تو اسے اردو کا سہارا لینا پڑتا ہے کہ یہ اردو زبان پورے جنوبی ایشیاء میں کم و بیش سو فیصد لوگ کسی نہ کسی درجے میں سمجھتے ، بولتے اور لکھتے ہیں اور رابطہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔پھر جب اسے کسی تعلیمی ادارے میں داخل کرایا جاتا ہے تو یہ لسانی دہشت گردی و ستم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جہاں سات سمندر پار کی زبان آکاس بیل کی مانند ایک ناسور بن کر اس سے تاحیات چمٹ جاتی ہے۔اسے انگریزی زبان کا بے مقصد بوجھ اپنی تعلیمی کمر پر لادنا ہوتا ہے،بدیسی قوم کی طرح اسی کے لہجے میں اپنا منہ ٹیڑھا کر کرکے اس کی زبان بولنی پڑتی ہے۔جو بچہ اس غلامانہ زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے،اسی میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا مصنوعی رنگ ڈھنگ اختیار کرلے ،اسی زبان کے نشیب و فراز میں اپنے لہجے کو ڈھال لے تو وہ طالب علم اپنے اساتذہ کا چہیتا اور اس تعلیمی ادارے کے ماتھے کا جھومر بن جاتا ہے ،وہ اپنے تعلیمی درجے تعلیم کے اعلی مقامات اور انعامات کا مستحق بھی گردانا جاتا ہے اور اور اگلے تعلیمی مرحلوں میں بھی اسے ترجیحی تفوق حاصل رہتا ہے۔

دیگر زبانوں میں اچھے مقامات کا حامل کسی زبان کا ماہر تو شاید ہو جائے لیکن اس زبان میں پڑھائے جانے والا مواد کس حد تک اس کے ذہن نشین ہوا ہے؟اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔اس کی وجہ ایک سادہ سا نفسیاتی جائزہ ہے کہ بچے کی بچگانہ اور محدود ذہنی صلاحیت کو اگر صرف مواد کے سمجھنے پر لگا جائے تب اس میں کامیابی کے کتنے فیصد امکانات ہوں گے اور جب اس کی ذہنی صلاحیت پر پہلے غیر زبان سمجھنے کا اضافی و غیر فطری بوجھ اور پھر مواد کے سمجھنے کا کام اس کے ذمہ لگایا جائے تب اس کی کارکردگی کتنے فیصد ہو پائے گی۔اس تجربے کے نتائج اظہر من الشمس ہیں جنہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔کوئی غیر زبان سیکھنے میں آدھی صدی بھی صرف کردے تب بھی اس زبان کو بطور مادری زبان کے بولنے والوں کے برابر تو دور کی بات ہے اس کے عشر عشیر جتنا بھی کچھ مقام حاصل نہیں کر پائے گا۔انسان کی اصل زبان وہی ہے جو اس کی مادری زبان ہے۔تاہم کوئی بھی قوم اپنی نسل کو غیر زبان سے نجات دلا کر ہی اپنی مادری زبان میں تعلیم کے ذریعے علوم و معارف میں بہت اعلی مقام یقیناً حاصل کر سکتی ہے۔کیونکہ تخلیقیت کا تعلق ہمیشہ سے مادری زبان سے رہتا ہے۔

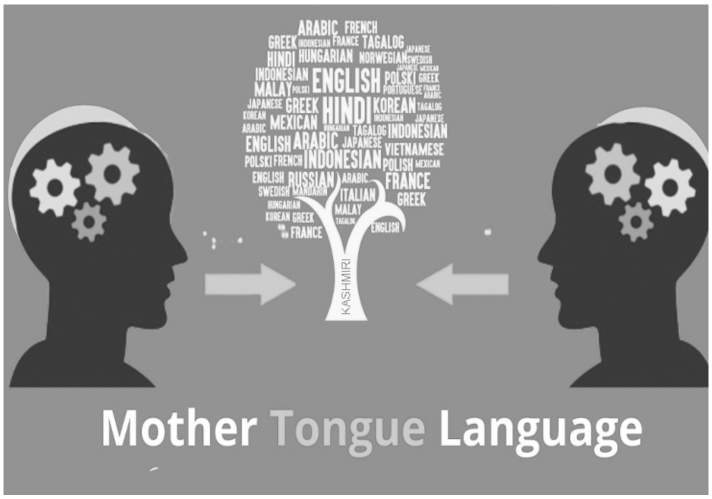

مسلمانوں نے اس کرہ ارض پر کم و بیش ایک ہزار سال حکومت کی لیکن کسی قوم کو اس کی مادری زبان یا مقامی تہذیب سے محروم نہیں کیا۔سیکولر گورا سامراج تین سو سالوں تک انسانوں کی گردنوں پر مسلط رہا اور ہر جگہ اس نے مقامی تہذیب کو تاراج کیا اپنا تمدن زبردستی مسلط کیا اور علاقائی و مادری زبان چھین کر قوموں کو گونگا بہرا بنانے کا عالمی انسانی مجرم بن گیا۔اس سیکولر اور لبرل استبداد نے پوری کی پوری قوموں کو اپنا غلام بنایا اور تعلیمی غلامی،تہذیبی غلامی،لسانی غلامی،دفاعی غلامی اور ذہنی غلامی سمیت نہ معلوم کتنی غلامیوں کے طوق ان کی گردنوں میں ڈالے اور اپنی زبان کی ہتھکڑیاں انہیں پہنا کر مغربی جمہوری نظام کی بیڑیوں کے ذریعے ان اقوام کی رفتار کار کو انتہائی سست بنا دیا تاکہ وہ کبھی بھی ہمارے سے آگے قدم نہ بڑھا کر ہمیشہ ہمارے دست نگر رہیں۔اقوام متحدہ کی ذمہ داری ہے کہ عالمی طاغوت کا آلہ کار بننے کی بجائے کل عصری علوم کو دنیا بھر کی مادری زبانوں میں منتقل کرنے کا عالمی انسانی فریضہ سرانجام دے تاکہ کل انسانیت کسی ایک زبان کی اجارہ داری سے نکل کر اس کرہ ارض کو آفاقی و آسمانی تعلیمات کے مطابق امن و آشتی اور پیار و محبت کی آماج گاہ بنا سکے۔

☆☆☆

مسلمانوں نے اس کرہ ارض پر کم و بیش ایک ہزار سال حکومت کی لیکن کسی قوم کو اس کی مادری زبان یا مقامی تہذیب سے محروم نہیں کیا۔سیکولر گورا سامراج تین سو سالوں تک انسانوں کی گردنوں پر مسلط رہا اور ہر جگہ اس نے مقامی تہذیب کو تاراج کیا اپنا تمدن زبردستی مسلط کیا اور علاقائی و مادری زبان چھین کر قوموں کو گونگا بہرا بنانے کا عالمی انسانی مجرم بن گیا

ڈاکٹر ساجد خاکوانی معروف دانشور اور استاد ہیں۔
کشمیرالیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

داستانِ حجازی

راہِ حق میں ہوئے میرے حادثے کی کہانی, میری زبانی...

جوڑ کے تو کوہِ گراں تھے ہم۔۔۔

19 جون 1996, صبح 19:5AM پر میرے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا جس نے لمحوں میں میری زندگی کو ایک نہ ختم ہونے والی تکلیف میں دھکیل دیا. اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور میں سرزمینِ پاک پر ڈھائی سال سے قیام پذیر تھا. میں لیڈرشپ کورس کیلئے پچھلے ایک مہینہ سے قیام پذیر تھا. شدید گرمیوں کا موسم تھا. اُس دن میں صبح چار بجے کے قریب اٹھا, نہایا, وضو کیا اور نماز فجر کیلئے مسجد کی جانب چل پڑا. امام مسجد حاضر نہیں تھے, اسلئے ساتھیوں نے مجھے امامت کیلئے آگے کیا. مجھے کیا خبر تھی کہ یہی وہ آخری نماز ہوگی جو اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر میں ادا کر رہا ہونگا. لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اپنی اس آخری نماز میں مجھے امامت نصیب ہوئی. نماز پڑھ کے میں نے اپنے رب سے دعائیں مانگی اور سرفروشوں کی پوری ایک جماعت میرے پیچھے آمین آمین کہہ رہی تھی.

مسجد سے نکل میں اپنی بارک میں گیا اور تلاوت کر کے ورزش کی تیاری شروع کی. اتنی دیر میں سورج کی سنہری کرنوں نے ہمارا استقبال گراؤنڈ میں کیا جہاں ہمیں ہر روز ایک تھکا دینے والی ورزش کا سامنا کرنا پڑتا تھا. نیلگوں آسمان بھی شاید ہم پر رشک کیا کرتا تھا کیونکہ اللہ کی راہ میں خود کو تھکا دینے والا عمل بھی اللہ کو بہت محبوب ہے. گراؤنڈ میں پتہ چلا کہ آج معمول کی ورزش کے برعکس Assault Course ہے. اب ہم دو میل تک دوڑ لگا رہے تھے. یہ میری زندگی کی آخری دوڑ تھی. میں آخری بار اللہ کی راہ میں اپنے پاؤں غبار آلود کر رہا تھا. حدیث کے مطابق جو پاؤں اللہ کی راہ غبار آلود ہوئے ان پر نارِ جہنم حرام ہے. مجھے بھی اللہ کی رحمت سے یہی اُمید ہے کیونکہ نا اُمیدی کفر ہے.

واپس گراؤنڈ میں پہنچے تو ہم پسینے سے شرابور ہو رہے تھے. اب ہم نے مختلف رکاوٹوں کو عبور کرنا تھا. ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ یہ کام جلدی سے نمٹا کر سستا لے. میں بھی جلدی کر رہا تھا لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں تقدیر مجھے لمبے آرام کیلئے بھیجنے والی ہے. ہر لمحے کے ساتھ میری رفتار تیزی ہوتی جارہی تھی اور میں تیزی سے ہر رکاوٹ کو قدموں تلے روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا.

دس فٹ کی دیوار کو پھلانگتے ہوئے بالآخر میں اُس رسی پر چڑھ گیا جو مجھے گرانے کیلئے بڑی بیتاب تھی. تقریباً بازو جتنی موٹی دو رسیاں ایک دوسرے کے اوپر نیچے دو درختوں سے باندھی ہوئی تھیں. اوپر والی رسی کو میں نے ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا اور نیچے والی رسی پر میرے دونوں پاؤں تھے. اب میں آہستہ آہستہ اسکے ایک سرے سے دوسرے سرے کی طرف جا رہا تھا. میں ہوا میں تقریباً معلق تھا. یہ وہ آخری لمحات تھے جب میری ٹانگیں میرا ساتھ دے رہی تھیں۔ میں رسی کے آخری سرے پر پہنچنے والا ہی تھا کہ پیچھے سے کئی ساتھی ایک ساتھ اس رسی پر چڑھ دوڑے. اوپر والی رسی اتنے وزن کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور بالآخر میری جانب سے اس جگہ سے کٹ گئی جہاں یہ درخت کے ساتھ بندھی ہوئی تھی. رسی نے مجھے نیچے پتھریلی زمین پر زور سے پٹخ دیا اور اگلے ہی لمحے میں نے خود کو زمین پر اس حال میں گرا ہوا پایا کہ میں ایک نا قابل برداشت درد کو اپنی پوری کمر میں محسوس کر رہا تھا. شدید درد سے میری چیخیں نکل رہی تھی. لیکن اس وقت مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری ریڈھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔

میرے ساتھی میرے ارد گرد جمع ہوگئے. کچھ ساتھیوں کی لاپرواہی کی سزا مجھے اکیلے بھگتنا پڑ رہی تھی کیونکہ رسی پر ایک وقت میں صرف ایک شخص کو چڑھنے کی اجازت تھی. لیکن اس سے پہلے کہ میں رسی سے نیچے چھلانگ لگاتا, کچھ ساتھی ایک ساتھ رسی پر چڑھ دوڑے اور رسی نے سارا غصہ مجھ پر نکالا. خیر انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہے. تھوڑی دیر کے بعد ایمبولنس آئی اور مجھے سٹریچر پر ڈال دیا گیا اور گاڑی نامعلوم رستوں پر سے گذرتی ہوئی تقریباً دو گھنٹے بعد ایک ہسپتال پہنچ گئی ۔ کسی بھی ساتھی کو میرے ساتھ نہیں آنے دیا گیا کیونکہ معاملہ حساس نوعیت کا تھا. میرا سفر اب اکیلا ہی تھا.

ہسپتال کے صحن میں چار آدمیوں نے جب مجھے ایمبولینس سے نیچے اتارنے کی کوشش کی تو اس وقت میری کمر کا درد اس انتہائی شدت کو پہنچ گیا کہ میری چیخوں کی وجہ سے ہسپتال میں بہت سارے لوگ میرے گرد جمع ہوگئے کیونکہ میری کمر کی ہڈی بیچ میں ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی جس نے میرے spinal cord کو بُری طرح مجروح کیا تھا. انجان لوگوں میں اکیلا میں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر کار میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔ مجھے ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں داخل کیا گیا اب میری زندگی کے مشکل ترین لمحات میرے منتظر تھے۔ ڈاکٹر نے میری ابتر حالت دیکھ کر سب سے پہلے میرے مثانے میں cathetor ڈال دیا اور پھر میری ناک کے ذریعے میرے معدے میں پائپ ڈال دی تا کہ معدے میں جو کچھ بھی غذا ہے وہ باہر آجائے. یہ پائپ کئی روز اسی طرح میرے ساتھ چمٹی رہی اور میری تکلیف میں اضافہ کرتی رہی. میں کچھ بھی کھانے پینے سے قاصر تھا. اس دوران گلوکوز چڑھا کر میرے جسم و روح کا رشتہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی. دوسری جانب انتہائی تیز بخار اور شدید کپکپاہٹ نے میرا جینا دوبھر کر دیا اور میں بیڈ پر ایک زندہ لاش بن کر رہ گیا.

بالآخر نیلے فلک کا شاہین ہسپتال کی چار دیواری میں مقید ہو کر رہ گیا. صبح جو چیتے کی رفتار سے دوڑ رہا تھا, دوپہر کو بے حس و حرکت ہسپتال کے بیڈ پر بے بسی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ہسپتال میں ڈاکٹر عمر کا یہ جملہ میری ہمت بڑھا رہا تھا کہ اس وارڈ میں ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی کی موت ہو جاتی ہے. بالفرض تم اگر مر بھی جاتے ہو تو انشاء اللہ شہادت کی موت پاؤ گے. تم کسی صورت بھی ناکام نہیں ہو. لہٰذا حوصلہ رکھو. واقعی اگر ڈاکٹر حوصلہ دینے والا ہو تو مریض آخری دم تک زندگی کی جنگ لڑ سکتا ہے

جسکی نگاہیں آسمان کو تکتی رہتی تھیں, آج وہ ہسپتال کے بیڈ پر لیٹا دن رات صرف ہسپتال کی چھت کو تکتا رہتا تھا صبح سے شام اور شام سے صبح تک میں ہسپتال کے اندھیروں میں ایک ایک لمحہ انتہائی درد و کرب میں گذار رہا تھا. درد تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا. بخار تھا کہ اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا. ایک تیماردار جو مجھے فراہم کیا گیا ایک سرکاری ملازم تھا. اسے پنجابی زبان کے علاوہ کوئی زبان سمجھ نہیں آتی تھی. میں اردو میں اسے کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو اسے سمجھ ہی نہیں آتی اور وہ پنجابی میں کچھ بولتا تو مجھے کچھ سمجھ نہ آتی. اس صورتحال نے مجھے مزید پریشان کر دیا. سخت ترین آزمائشوں اور کڑے امتحانوں کے بادل میرے سر پر منڈلا رہے تھے. صرف بیس سال کی عمر میں اتنی بڑی آزمائش کا مقابلہ کرنے کی ہمت میں کہاں سے لاتا اگر اللہ کی نظرِ کرم مجھ پہ نہ ہوتی. مجھے صبر و ہمت کا کوہِ گراں بننا تھا. مجھے اپنے اندر ہمالیہ جتنا جگر پیدا کرنا تھا. میں خود کو زندگی سے زیادہ موت کے قریب محسوس کر رہا تھا. ہر گذرتا لمحہ مجھے جسمانی طور کمزور کر رہا تھا. اب مجھ میں بازو ہلانے کی بھی ہمت نہیں تھی. بس تھوڑا بہت اپنا سر ہلا پاتا. اس حال میں مجھے یہ پریشانی تھی کہ میں نماز کیسے پڑھوں.

میں زندگی کی یہ جنگ تنہا لڑ رہا تھا. میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی مجھ سے اتنا بڑا امتحان لے گی. نامعلوم ہسپتال اور انجان لوگوں کے درمیان میں پریشان حال تھا. مجھے آج تک پتہ نہیں چلا کہ اُس وقت میں کس ہسپتال میں ایڈمٹ تھا. نرسیں ٹھنڈے پانی سے میرا بخار کم کرنے کی کوششیں کر رہی تھی. مگر میری حالت ابتر سے ابتر ہوتی جا رہی تھی. میرے آس پاس بھی کوئی اپنا نہ تھا. غم پہ غم مجھے کھائے جا رہا تھا. میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا

تین دن اسی حال میں گذر گئے کہ اچانک ایک دن شہید برہان صاحب اور شہید احمد حسن صاحب میرے پاس آئے. انہیں دیکھ کر میری جان میں جان آئی. لیکن انہوں نے جب میری ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو انکے چہروں پر گہری اداسی چھا گئی. میں نے ان سے بس یہ کہا کہ مجھے بتایئے کہ میں نماز کیسے ادا کروں. انہوں نے کہا کہ آنکھوں کے اشاروں سے نماز ادا کرو. میری حالت ایسی نہیں تھی کہ میں زیادہ بات کر پاتا. بات کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی مجھ میں کچھ دیر بعد وہ چلے گئے. اب مجھے امید تھی کہ وہ مجھے جلد ہی علاج کیلئے کسی دوسرے ہسپتال لے جائیں گے. اب میں اسی انتظار میں تھا. ڈاکٹر نے جو بات نوٹ کی وہ یہ تھی کہ میرے سینے کی بائیں جانب کی Ribs دائیں جانب کی Ribs کے مقابلے میں کچھ اوپر تھی. ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ایسا پہلے سے ہی تھا. میں نے کہا نہیں اسکا مطلب یہ تھا کہ میں جب گرا تھا تو شدید چوٹ نے میری کمر کے بائیں طرف زیادہ دباؤ ڈالا تھا جسکی وجہ سے میرے سینے کا بایاں حصہ تقریباً باہر آ چکا تھا. اسی وجہ سے میرا معدہ متاثر ہوا تھا. ایک چوٹ کی وجہ سے میری زندگی کو مزید کتنی چوٹیں کھانی تھی, میں اس وقت اس بات سے بالکل بے خبر تھا. مزید مشکلات اور مصائب میرا انتظار بے چینی سے کر رہے تھے

میں گھر سے ایک لمبے سفر پر نکلا تھا لیکن بیچ رستے میں تقدیر نے مجھے روک دیا. ابھی منزل دور تھی اور میری رفتار کو قدرت نے روک دیا. میرے ذہن میں ہزاروں سوال اُٹھ رہے تھے. مجھے اس ناگہانی صورتحال نے ہزاروں الجھنوں میں ڈال دیا تھا. ایک ساتھ کئی تکالیف نے میرے جسم پر حملہ کیا تھا اور مجھے ہر تکلیف کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا. لیکن میرے جسم کی شدید کمزوری نے مجھے نڈھال کر دیا تھا. میرا ذہن بری طرح متاثر ہو رہا تھا. قیامت خیز لمحے میرے وجود کو کاٹ رہے تھے. چونکہ ابھی تک میرا xray یا MRI نہیں ہوا تھا اس لئے میں اپنی ریڑھ کی ہڈی کی صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھا. میں بس اپنی کمر میں شدید درد محسوس کر رہا تھا. ایسا شدید درد جسے میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں. میرا جسم اگر ذرہ بھر بھی ہل جاتا تو یہ درد اپنی انتہا کو پہنچ جاتا. اصل میں ریڑھ کی ہڈی T8 لیول پر dislocate ہونے کی وجہ سے اس جگہ اپنی اصل پوزیشن پر نہیں تھی جیسا کہ اسے میرے رب نے رکھا تھا. اسلئے اس جگہ جیسے آتش فشاں پھٹ چکا تھا اور درد کا لاوا نکل نکل کر میرے پورے وجود کو تہہ و بالا کر رہا تھا.

مسئلہ صرف ریڑھ کی ہڈی کا نہیں تھا. اصل مسئلہ spinal cord کا تھا جو damage ہو چکا تھا جسکی وجہ سے میرے آدھے جسم کا breakdown ہو چکا تھا. میرے آدھے جسم کا رابطہ communication اپنے headquarter یعنی دماغ سے منقطع ہو چکا تھا. میرا آدھا جسم اب مفلوج ہو چکا تھا. چونکہ spinal cord کا علاج ممکن نہیں تھا. اسکا مطلب تھا عمر بھر کی معذوری. wheelchair. پر مجھے آپنے آپ کو اس بھیانک صورتحال کیلئے تیار کرنا تھا. مجھ خود کو سمجھانا تھا کہ اب اسکے سوا کوئی چارہ نہیں.

ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں کء دن اسی حال میں گذر گئے. میں مسلسل کمر کے بل لیٹا ہوا تھا. میں نے ان دنوں میں ایک بار بھی کروٹ نہیں بدلی تھی کیونکہ ذرا سا بھی ہلنے سے شدید درد مجھے چیخنے پر مجبور کر دیتا تھا. مسلسل تیز بخار اور کپکپاہٹ نے تو میرے ہوش اُڑا دئے. میرے جسم کو مسلسل گلوکوز سپلائی ہو رہی تھی. معدے میں پائپ کی وجہ سے میں کچھ بھی کھانے سے قاصر تھا. میری کلائی میں جو گھڑی تھی میرا تیماردار میری کلائی کو اٹھا کر میری آنکھوں کے سامنے کر دیتا. اسطرح میں اپنی گھڑی سے ٹائم دیکھ پاتا. شام کب ڈھلی, صبح کب ہوئی, دن ہے یا رات. مجھے پتہ ہی نہیں چلتا تھا. میں بس ہسپتال کی چھت کو تکتا رہتا تھا. کبھی ہلکی سی نیند آتی تو درد پھر سے جگا دیتا.

میری حالت شیر خوار بچے سے ابتر اور عمر رسیدہ بوڑھے سے کہیں بدتر تھی. وہ تو پھر بھی کچھ نہ کچھ حرکت کر سکتے ہیں مگر میں بے حس و حرکت ایک زندہ لاش کی مانند ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا. میرے جسم پر اگر مکھی بھی بیٹھ جاتی تو مجھ میں اُس کو بھی اُڑانے کی طاقت نہ تھی. میرے لئے وقت جیسے تھم چکا تھا. سورج کی روشنی میرے لئے بے معنی ہو چکی تھی. چاند کی چاندنی اور تاروں کی جھلملاہٹ میرے لئے بے مقصد تھی میری زندگی مکمل اندھیروں میں ڈوب چکی تھی. آنے والے وقت کی بھیانک تصویر میری آنکھوں کے سامنے بار بار آتی اور میرے حوصلوں کو توڑنے کی کوشش کرتی مگر اللہ نے میرے حوصلوں کو ٹوٹنے نہ دیا. میں نے اس حال میں بھی اپنے دل کو مضبوط رکھنے کی کوشش کی اور مشکل وقت گذرنے کا انتظار کرتا رہا.

زندگی بھر میرا ساتھ نبھانے والی میری ٹانگوں نے اب ہمیشہ

کیلئے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جن ٹانگوں نے کبھی مجھے فلک بوس برفلیے کوہساروں سے گذار کر اپنے وطن سے اس نئی سرزمین تک پہنچایا تھا, وہی ٹانگیں اب بے حس وحرکت جامد وساکن تھیں. میرے وہ پاؤں جو ہر روز صبح صبح پوری رفتار سے دوڑتے ہوئے زمین سے گردوغبار اُڑایا کرتے تھے, مجھ سے جیسے پوچھ رہے تھے کہ اگر رُکنا ہی تھا تو ہمیں دوڑانے کی عادت کیوں ڈالی تھی؟ میرے جسم کا آدھا حصہ میرے ساتھ جُڑا ہوا تو تھا مگر حقیقتاً مجھ سے ہمیشہ کیلئے بچھڑ چُکا تھا. اور اس بچھڑنے نے میرے وجود پر بیانتہا اضافی بوجھ ڈال دیا۔ میں اُس رہگذر کا راہی تھا جہاں قدم قدم پہ موت بانہیں پھیلائے کھڑی تھی. میں نے یہ پُرخطر راستہ خود اپنی مرضی سے چُنا تھا. مجھے معلوم تھا کہ میری راہ میں ہزاروں مشکلات ومصائب آئیں گے. میں جانتا تھا کہ ہزاروں امتحان اور آزمائشیں میری منتظر ہیں مگر اسطرح کی انوکھی آزمائش سے میرے ہزاروں ساتھیوں میں سے کوئی ایک آدھ ہی گذرا تھا. میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اسطرح کی خوفناک صورتحال سے مجھے واسطہ پڑے گا جو انسان کو نہ تو جینے دے اور نہ ہی مرنے دے. اس عجیب وغریب مصیبت کیلئے میں نے خود کو کبھی بھی تیار نہیں کیا تھا کیونکہ ایسا خیال بھی دل ودماغ سے نہیں گذرا تھا. اس نئی مصیبت سے نمٹنے کا کوئی تجربہ میرے پاس نہیں تھا.

ہسپتال میں اسی حال میں کئی دن گذارنے کے بعد اب مجھے آپریشن کیلئے لاہور لے جانے کا وقت آگیا تھا. مجھے چھ آدمیوں نے بیڈشیٹ سمیت بیڈ سے اتار کر سٹریچر پر ڈال دیا. شفٹ کے وقت اس دفعہ پھر خوفناک درد سے میری چیخیوں نے سارے ہسپتال کو ہلا کر رکھ دیا. مجھے جب ہسپتال سے باہر نکالا گیا تو میں نے اتنے دنوں بعد دن کی روشنی کا نظارہ کیا. ایمبولنس اسلام آباد کی جانب روانہ ہوئی. اسلام آباد کے ہسپتال میں مجھے ایک رات کیلئے ایڈمٹ کیا گیا کیونکہ اگلے دن لاہور کیلئے مجھے ہوائی جہاز کے ذرئیعے جانا تھا. پمز میں میڈکل شعبہ سے جڑا ہمارا ایک ساتھی شاہد بھائی میری تیمارداری کیلئے پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ میری گھمبیر حالت نے اسے کافی افسردہ کردیا. اتنے دنوں بعد اپنے کسی کشمیری ساتھی سے ملاقات ہوئی تو بہت خوشی ہوئی ہسپتالوں میں جو بھی لمحے گذرتے رہے وہ تو جیسے ایک ایک سال کے برابر تھے. ہسپتال ایک مریض کیلئے ایک جیسی جگہ ہے جسکے ساتھ اسکی خوشگوار یادیں کم اور ناگوار یادیں زیادہ وابسطہ ہوتی ہیں کوئی بھی مریض ہسپتال میں زیادہ دیر نہیں رہنا چاہتا مگر مجھے پورا ایک سال ہسپتالوں میں رہنا پڑا ایک سال تک میں مختلف قسم کی تکلیفوں سے گذرتا رہا. ہسپتال میرے لئے ایک ڈراؤنہ خواب بنا رہا. تقدیر مجھے ایک جگہ سیدوسری جگہ گھما پھراتی رہی اور میں تکلیفوں پہ تکلیفیں سہہ سہہ کر تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا رہا۔

ہسپتال میں شاہد بھائی نے رات بھر میرا خیال رکھا. اللہ انہیں جزائے خیر دے. اب میں دوسروں کا کس قدر محتاج تھا اس بات کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب شاہد بھائی میرے کپڑے تبدیل کر رہا تھا. اپنی اتنی بے بسی دیکھ کر مجھ پر کیا گذری, یہ میں ہی جانتا ہوں. زندگی نے مجھے کس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا. میری زندگی لارچارگی, بیچارگی, بے بسی اور بے کسی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی. میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کس کس کام کیلئے دوسروں کا محتاج ہونا پڑے گا اور کب تک؟ یہ براہِ راست میری خودداری کو چیلنج تھا۔ (جاری ہے)

انتقال پرملال ماہ فروری 2023

1-نثار بھائی پٹن کی (والدہ محترمہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پاگئی ،2- عمر بھائی بڈگام کی (والدہ محترمہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پاگئی ،3- عرفان بھائی کولگام کے (والدمحترم) مقبوضہ کشمیر میں وفات پاگئے ،4-انس جواد بھائی ادھم پور کے (بھائی) مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کے ہاتھوں دوران حراست شہید ہوئے ،5-عامر غازی بھائی کولگام کی (والدہ محترمہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پاگئی ،6- سہیل بھائی شوپیان کی (والدہ محترمہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پاگئی ،7-امتیاز عالم صاحب کپواڑہ اسلام آباد پاکستان میں نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اللہ پاک مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین

قارئین سے گزارش ہے کہ مرحومین کو اپنے دعاؤں میں یاد رکھیں۔

مقبوضہ کشمیر میں بھارت نے جبر واستبداد کے ہتھکنڈے استعمال کر کے لاکھوں کنال اراضی سے مظلوم کشمیری عوام کو محروم کر دیا

وادی کے مختلف علاقوں میں بھارتی فوج کی تلاشی کارروائیاں جاری۔۔۔درجنوں نوجوان گرفتار

ہمایوں قیصر

16جنوری2023ء۔۔ضلع بڈگام کے مرکزی چوک کے قریب بھارتی فوج نے ظالمانہ کارروائی کے دوران دونوجوانوں ارباز احمد میر ساکنہ راجپورہ پلوامہ اور شاہد احمد شیخ ساکنہ کاکہ پورہ پلوامہ کوفرضی جھڑپ کا ڈرامہ رچا کر تلاشی کے بہانے گاڑی سے اتار کر بلا جواز گولیوں کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں دونوں نوجوان موقع پر ہی شہید ہوگئے۔

20جنوری2023ء۔۔ضلع کپواڑہ کے علاقے ہگاٹورا ہندواڑہ میں ایک بھارتی فوجی شیو کمار نے اپنے کیمپ میں اپنی سروس رائفل سے خود کو گولی مار خودکشی کر لی۔اس تازہ واقعے سے جنوری 2007 سے اب تک مقبوضہ علاقے میں خودکشی کرنے والے بھارتی فوجیوں اور پولیس اہلکاروں کی تعداد بڑھ کر561 ہوگئی۔

21جنوری2022ء۔۔ضلع اسلام آباد میں انسداد تجاوزات کے نام پر لوگوں سے مجموعی طور پر40ہزار کنال سے زائد اراضی چھین لی ہے جبکہ صرف گزشتہ تین دن میں لوگوں سے4200 کنال سے زیادہ اراضی چھینی گئی ہے۔جموں شہر میں دو پراسرار دھماکوں میں کم از کم نو افراد زخمی ہوگئے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی پولیس نے حریت رہنما ظہور احمد بٹ کو گرفتار کر لیا ہے۔پولیس نے تحریک آزادی کے معروف شہید رہنما محمد مقبول بٹ کے چھوٹے بھائی ظہور احمد بٹ کو ضلع کپواڑہ میں ان کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا۔

22جنوری2023ء۔ضلع شوپیاں کے ناگہ بل علاقے میں بھارتی فوج نے تلاشی کی کارروائی کے دوران حزب المجاہدین سے وابستہ دیرینہ مجاہد ناصر احمد شیر گجری عرف قاسم بھائی کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔سرینگر کے عیدگاہ علاقے میں ایک کارروائی کے دوران حزب المجاہدین سے وابستہ مجاہدین نے بھارتی فوج کی ایک پارٹی پر گرینیڈ پھینکا جس کے نتیجے میں کئی اہلکار زخمی ہوگئے۔ضلع پونچھ کے منڈی علاقے میں بھارتی فوج کا ایک حوالدار ڈیوٹی کے دوران دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہوگیا۔

25جنوری2023ء۔۔ضلع پونچھ کے علاقے سرنکوٹ میں تلاشی اور گھروں پر چھاپوں کے دوران بھارتی پولیس نے چار نوجوانوں کو گرفتار کیا۔نوجوانوں کو جموں کے علاقے نروال میں حالیہ دھماکے کے سلسلے میں درج ایک جھوٹے مقدمے میں گرفتار کیا گیا۔

26جنوری2023ء۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کے حمایت یافتہ ولیج ڈیفنس گارڈز کے اہلکار نے ضلع پونچھ میں اپنی بیوی روبینہ کوثر کو گولی مار کر قتل کر دیا۔بھارتی پیراملٹری سینٹرل ریزرو پولیس فورس کا ایک سب انسپکٹر پیارے لال ضلع کولگام کے علاقے کے پی کالونی میں دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہوگیا۔

27جنوری2023ء۔۔ضلع کپواڑہ کے علاقے میں ایک نامعلوم مسلح شخص نے ساحر احمد خان نامی لڑکے کو12بور رائفل سے گولی مار کر زخمی کر دیا۔

28جنوری2023ء۔۔ضلع بڈگام کے علاقے ہمہامہ میں بھارتی فوجی گاڑی نے جان بوجھ کر ایک موٹر سائیکل سوار کو ٹکر ماردی جس کے نتیجے میں وہ موقعہ پر ہی جانبحق ہوگیا۔

29جنوری2023ء۔۔ضلع بانڈی پورہ کے علاقے سنبل میں دریائے جہلم سے ایک نامعلوم شخص کی لاش برآمد ہوئی ہے۔

30جنوری2023ء۔۔ضلع بارہمولہ کے سوپور قصبے میں ایک29 سالہ شخص شہزاد احمد ملک کی لاش برآمد کرلی گئی۔ضلع کولگام میں ایک عالم دین پولیس سٹیشن سے لاپتہ ہوگئے ہیں۔عالم دین مفتی نذیر احمد ڈار28جنوری2023 کو ضلع کے علاقے یہی باغ میں واقع پولیس سٹیشن سے لاپتہ ہوگئے ہیں۔28جنوری کو نذیر احمد ڈار دوبارہ تھانے پر گئے جس کے بعد سے وہ لاپتہ ہیں۔ بھارتی پولیس نے ضلع پلوامہ سے چار نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔پولیس نے نوجوانوں کو ضلع کے علاقے اونتی پورہ میں محاصرے اور تلاشی کی کارروائیوں اور گھروں پر چھاپوں کے دوران گرفتار کیا۔ضلع کپواڑہ میں ایک فوجی کیمپ پر ڈیوٹی کے دوران بھارتی فوج کا ایک اہلکار اچانک بے ہوش ہوکر ہلاک ہوگیا۔

سرینگر کے عیدگاہ علاقے میں ایک کارروائی کے دوران حزب المجاہدین سے وابستہ مجاہدین نے بھارتی فوج کی ایک پارٹی پر گرینیڈ پھینکا جس کے نتیجے میں کئی اہلکار زخمی ہوگئے

یکم فروری2023ء۔۔ضلع راجوری میں چھاپوں کے دوران تین نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔پولیس نے دعویٰ کیا کہ نوجوان علاقے میں حملوں کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔کشمیری تاجر مرزا محمد حنیف بیگ ساکنہ سرینگر کے حول، نئی دہلی میں اپنی رہائش گاہ سے لاپتہ ہوگیا۔بھارتی ریاست گجرات میں پولیس نے چار کشمیری نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔پولیس نے نوجوانوں کو ریاست کے شہر احمد آباد کے علاقے موتیرا میں ایک سٹیڈیم کے قریب سے گرفتار کیا۔گرفتار شدگان بڈگام کے رہائشی ہیں۔وسطی کشمیر میں ضلع بڈگام کے علاقے ماگام میں لوگوں نے زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ کشمیریوں کو ان کے حقوق کے ساتھ ساتھ اور ان کی زمینوں سے بھی محروم کیا جا رہا ہے۔ضلع شوپیاں میں ایک نوجوان فیضان یاسین ڈار ساکنہ بارہمولہ دوران حراست پُراسرار طور پر موت واقعہ ہوئی۔بھارتی پولیس نے ضلع بارہمولہ کے رہائشی نوجوان فیضان یاسین ڈار کو حال ہی میں شوپیاں سے گرفتار کیا تھا۔

2فروری2023ء۔۔بھارتی قابض انتظامیہ نے جنوبی کشمیر کے قصبے اسلام آباد میں حریت رہنما

قاضی یاسر کے ایک شاپنگ کمپلیکس کو گرادیا ہے۔کل جماعتی حریت کانفرنس کے ہیڈ آفس کی عمارت کو بھی ضبط کیا گیا۔ جماعت اسلامی اور اس کے رہنماؤں کی متعدد جائیدادیں ضبط کی گئی ہیں جبکہ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران بہت سے حریت رہنماؤں اور کارکنوں کے درجنوں مکانات کو گرادیا گیا ہے۔ بھارت کے غیر قانونی زیر قبضہ جموں وکشمیر میں بھارتی پولیس نے ضلع راجوری سے تین افراد کو گرفتار کر لیے۔گرفتار کیے گئے افراد کی شناخت ماجد ڈار، زوہیب خان اور محمد جبار کے طور پر ہوئی ہے۔ بھارتی پولیس نے انکی گرفتاری کا جواز فراہم کرنے انہیں ایک مجاہد تنظیم کارندہ قرار دیا ہے۔

3 فروری2023ء۔۔جموں وکشمیر میں مودی کی فسطائی بھارتی حکومت کی کشمیر دشمن پالیسیوں کے خلاف ضلع شوپیاں میں دکانداروں نے احتجاج کیا۔ناگ بل کے سینکڑوں دکانداروں نے اپنی دکانیں بند کر کے انسداد تجاوزات کی نام نہاد مہم کی منسوخی کیلئے احتجاج کیا۔ناگ بل،شوپیاں میں احتجاجی ہڑتال کی گئی جبکہ کیلر شوپیاں کے مرکزی بازار میں گزشتہ روز مہم کے خلاف ہڑتال کی گئی تھی۔دکانداروں نے قابض انتظامیہ سے عوام دشمن اس مہم کی منسوخی کا مطالبہ کیا جس کا مقصد کشمیریوں کو ان کے گھروں اور زمینوں سے جبری بے دخل کرنا ہے۔ بھارتی پولیس نے ضلع کولگام کے میر ہامہ علاقے میں ایک تلاشی مہم کے دوران دو بچوں سمیت چھ بے گناہ کشمیریوں کو گرفتار کر لیا۔ پولیس نے کشمیریوں کی غیر قانونی گرفتاری کا جواز پیش کرنے کیلئے انہیں مجاہد تنظیم کا کارکن قرار دیا ہے۔ضلع پونچھ میں کنٹرول لائن کے قریب بارودی سرنگ کے دھماکے میں بھارتی فوج کا ایک اہلکار شدید زخمی ہوگیا۔ بھارتی تحقیقاتی ادارے ''نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی'' کی ایک عدالت نے ایک کشمیری نوجوان کو چار برس سے زائد کی قید کی سزا سنادی ہے۔ضلع اسلام آباد کی این آئی اے عدالت کے خصوصی جج نے نوجوان داؤد احمد ڈار کو تحریک آزادی سے وابستگی کے جرم میں 4 سال 8 ماہ قید کی سزا سنائی۔ یاد رہے بھارتی پولیس نے ضلع کولگام کے علاقے اشموجی کے رہائشی داؤد احمد ڈار کو یکم اگست 2018 کو گرفتار کیا تھا۔سویڈن میں قرآن پاک کی بے حرمتی کے خلاف سرینگر میں لوگوں نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔مظاہرین نے نماز جمعہ کے بعد پریس انکلیو سرینگر میں اکھٹے ہو کر ڈنمارک کے اسلام دشمن راسموس پالوڈان کے خلاف نعرے لگائے جس نے سٹاک ہوم میں ترک سفارتخانے کے باہر قرآن پاک کے نسخے کو نذر آتش کیا تھا۔

6 فروری2023ء۔۔جموں خطے کے ضلع سانبہ کمالہ رام گڑھ سے ایک چوبیس سال کے نوجوان امان بھٹی کی لاش برآمد ہوئی ہے۔جموں کے علاقے میں انسداد تجاوزات مہم کے خلاف عوام نے مظاہرہ کیا،مظاہرین نے عملے پر پتھراؤ کیا اور نعرے لگائے ،اس دوران پولیس نے ایک درجن کے قریب نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔

7 فروری2023ء۔۔ضلع پونچھ کے علاقے میں ایک 15 سالہ لڑکا محمد شعیب بھارتی فوج کی جانب سے نصب کی گئی بارودی سرنگ پھٹنے سے زخمی ہوگیا۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی پولیس نے کل جماعتی حریت کانفرنس کے رہنما بلال صدیقی سمیت تین بے گناہ کشمیریوں کو سرینگر میں گرفتار کر لیا۔ پولیس نے حریت رہنما بلال صدیقی، سماجی کارکن عمر عادل ڈار اور ایک دکاندار سالک معراج کو سرینگر کے علاقے نوگام میں ان کی دکان اور گھروں سے گرفتار کیا۔ پولیس نے ان پر مجاہدین کے ساتھ کام کرنے کا الزام عائد کر دیا۔

8 فروری2022ء۔۔ضلع پلوامہ کے علاقے میں بھارتی پولیس نے ایک درجن کے قریب نوجوانوں کو تلاشی مہم کے دوران گرفتار کر لیا۔گرفتار کئیگئے افراد کی شناخت منظور گنائی، بشیر گنائی، عزیز بخشی، الزار شیخ، مشتاق لون، جاوید احمد شاہ، عبدالحمید پرے، مشتاق احمد بٹ، عبدالحمید بٹ اور محمد افضل ملک کے طور پر کی گئی ہے۔ بھارتی حکومت نے فوج کی حمایت یافتہ ویلیج ڈیفنس گارڈز کے900 سے زائد افراد کو ضلع راجوری میں تربیتدی اور انہیں ہتھیار بھی فراہم کئے۔ بھارتی فوج نے جموں خطے میں تقریبا28 ہزار ویلیج ڈیفنس گارڈز تعینات کئے ہیں۔

9 فروری2023ء۔۔ضلع راجوری میں قابض بھارتی انتظامیہ نے انسداد تجاوزات کے نام پر شروع کی گئی نام نہاد مہم کے دوران راجوری ضلع کی تمام تحصیلوں میں اب تک 2 لاکھ 86 ہزار 8 سو 75 کنال اور 14 مرلہ اراضی پر قبضہ کیا ہے۔

10 فروری2022ء۔۔معروف کشمیری سپوت محمد افضل گورو کی 9 ویں برسی پر سرینگر، سوپور اور دیگر علاقوں میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ بھارتی فوج اور پولیس نے کشمیریوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ ہرگز ہڑتال نہ کریں لیکن اسکے باوجود دکانیں اور کاروباری ادارے بند رہے۔ بھارت نے تحریک آزادی میں نمایاں کردار کی پاداش میں محمد افضل گورو کو 9 فروری 2013 کو جبکہ محمد مقبول بٹ کو 11 فروری 1984 کو نئی دہلی کی بدنام زمانہ تہاڑ جیل میں تختہ دار پر لٹکایا تھا۔

13 فروری2023ء۔۔ضلع ادھمپور کے علاقے بدر کے رہائشی شمس الدین کو بھارتی فوج نے حراست کے دوران شہید کر دیا۔شمس الدین کے ایک بھائی انس جواد نے بھارتی فوجیوں کے مظالم کی وجہ سے مقبوضہ علاقے سے آزاد جموں وکشمیر ہجرت کی تھی۔مقبوضہ کشمیر میں لوگوں نے قابض بھارتی انتظامیہ کی طرف سے انسداد تجاوزات مہم کے نام پر جاری بے دخلی مہم کے خلاف سرینگر، جموں اور دیگر علاقوں میں احتجاجی مظاہرے کیے۔اس مذموم مہم کا مقصد کشمیری مسلمانوں کی زمینوں، گھروں پر قبضہ کر انہیں بھارتی ہندوؤں تصرف میں دینا ہے۔لوگوں کی بڑی تعداد نے بے دخلی مہم کے خلاف سرینگر پریس انکلیو میں احتجاجی دھرنا دیا۔

14 فروری2023ء۔۔ضلع پلوامہ کے لیتر علاقے میں بھارتی فوج نے دو نوجوانوں کو مجاہدین کے ساتھ کام کرنے کے ایک جھوٹے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔

15 فروری2023 ء۔۔ضلع پونچھ میں ایک 60 سالہ شہری مشتاق احمد کو پراسرار حالت میں مردہ پایا گیا جبکہ بارہمولہ کا رہائشی نصیر احمد لون بٹ مالو کے علاقے ٹینگ پورہ کے قریب اپنی گاڑی میں مردہ حالت میں پایا گیا۔مقبوضہ کشمیر کے لداخ ریجن میں نگرانی پر معمور بھارتی فوج کا ایک ڈرون گر کر تباہ ہوگیا ہے۔ضلع کپواڑہ کیسد پورہ میں بھارتی فوج نے ایک مجاہد کو فائرنگ کر کے سرحد کے قریب شہید کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

☆☆☆